مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۷ | ذی القعدہ ۱۴۳۷ھ | اگست ۲۰۱۶ء | شمارہ ۸

الاتفاق

اتفاق کی حقیقت

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/ ۲۰ روپے زرسالانہ =/ ۲۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

الاتفاق

اتفاق کی حقیقت

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱.....	تمہید	۹
۲.....	ترجمہ آیت	۱۰
۳.....	کمال قرآن حکیم	۱۱
۴.....	کتاب کا کمال	۱۳
۵.....	قرآن حکیم سے سائنسی مسائل کا استنباط	۱۴
۶.....	قرآن میں مسائل دنیویہ تلاش کرنے کی مثال	۱۵
۷.....	دنیوی علوم کو قرآن میں داخل کرنے کا مقصد	۱۷
۸.....	دنیاوی دولت کا آخرت میں مقام ومرتبہ	۱۷
۹.....	سائنسی تحقیقات کو قرآن پر منطبق کرنے کا نقصان	۱۹
۱۰.....	یورپ کی کاسۂ لیسی	۱۹
۱۱.....	علوم قرآن کی خوبی	۲۰

۱۲..... قرآنی سائنس کا مقصود	۲۱
۱۳..... تعلیم اتفاق	۲۳
۱۴..... قرآنی مدلول اور منطبق کا فرق	۲۳
۱۵..... صوفیاء کے تفسیری نکات	۲۴
۱۶..... جدید مصلحین کی مثال	۲۵
۱۷..... جاہل پیر کا استدلال	۲۶
۱۸..... صوفیاء کی تفاسیر کی حقیقت	۲۷
۱۹..... ناپسندیدہ تاویلات	۲۸
۲۰..... مسائل دینیہ میں منافع دنیوی پر نظر	۲۹
۲۱..... نماز کا اصلی فائدہ	۳۱
۲۲..... اختیار تدابیر	۳۳
۲۳..... خودساختہ مفسرین	۳۴
۲۴..... نادان حکیم	۳۵
۲۵..... اسباب کی اقسام	۳۶
۲۶..... توکل میں نیت کی درستگی	۳۷
۲۷..... انعام بقدر قربانی	۳۸
۲۸..... مدار اتفاق	۴۰

۲۹.....	مدار محبت	۴۱
۳۰.....	پیر سے محبت	۴۲
۳۱.....	محبوبیت کا باطنی سبب	۴۵
۳۲.....	محبت کے اسباب ظاہرہ	۴۶
۳۳.....	مطیعان شریعت میں اسباب محبت	۴۸
۳۴.....	خوبی معاشرہ	۵۱
۳۵.....	''السلام علیکم'' بہترین دعاء	۵۲
۳۶.....	شریعت میں تمدن کی رعایت	۵۲
۳۷.....	قید آزادی	۵۳
۳۸.....	حیوۃ طیبہ	۵۵
۳۹.....	باہمی محبت کا راز	۵۷
۴۰.....	حقیقی دینداری	۵۸
۴۱.....	سفارش کی حقیقت	۵۸
۴۲.....	شریعت کی خوبی	۵۹
۴۳.....	ایمان وعمل صالح کا محبوبیت میں دخل	۵۹
۴۴.....	نصیحت با محبت	۶۰
۴۵.....	شرط وعظ عام	۶۲

۴۶..... تاثیر اخلاق حسنہ ۶۳

۴۷..... اتحاد اغراض ۶۴

۴۸..... اتفاق محکم ۶۵

۴۹..... خلاصہ وعظ ۶۶

وعظ

الاتفاق

اتفاق کی حقیقت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے وعظ الاتفاق ۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں ۲ گھنٹے چالیس منٹ تک اتفاق کے اسباب کی تشخیص کے سلسلہ میں بیٹھ کر بیان فرمایا۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب گنگوہی مرحوم نے یہ وعظ قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً دوسو تھی۔

شریعت کا اتباع کرنے سے ہی حقیقی اتفاق قائم ہوسکتا ہے اس بات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مستفدین کو اتباع شریعت کی توفیق عطا فرمائیں تاکہ باہم حقیقی اتفاق قائم ہوسکے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۷/ جمادی الاول ۱۴۳۷ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَھُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا﴾(۱)

تمہید

یہ آیت سورۂ مریم کی ہے۔ مجھ کو اس سے ایک ضروری مضمون کا بیان کرنا مقصود ہے اور خود اس کی ضرورت تو پہلے سے سب ہی کے نزدیک مسلم ہے(۲)۔ مگر بیان کی ضرورت ذہن میں ابھی آئی ہے۔ میں گڑھی پختہ گیا تھا اس کے متصل(۳) حسن پور ہے وہاں بھی جانا ہوا۔ اور وہاں وعظ بھی ہوا تھا۔ عین بیان کے وقت اس مضمون کی ضرورت بھی ذہن میں آئی۔ چنانچہ کچھ ناتمام سا بیان بھی کیا۔ ارادہ یہ تھا کہ اس مضمون کو کسی موقع پر مستقلاً بیان کرونگا۔ آج بیان کا ارادہ نہ تھا لیکن بعض احباب اور بعض اعزہ تشریف لے آئے اور زبان حال سے ان کی فرمائش اور اشتیاق ظاہر ہوا۔ اس لئے دل چاہا کہ اس مضمون کو آج بیان کردوں۔

---

(۱) ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیئے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کردیں گے'' سورۂ مریم (۲) تسلیم شدہ (۳) قریب۔

لیکن یہ سوچتا تھا کہ اس مضمون کو کسی آیت یا حدیث سے بیان کروں۔ کوئی آیت یا حدیث ایسی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ مضمون اس کا مدلول صریح ہو(۱)۔ جمعہ سے پہلے غسل وغیرہ کی تیاری میں پھر رہا تھا کہ اتفاقاً یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے زبان پر جاری ہوگئی لیکن اس خیال سے نہیں کہ اس مضمون سے اس کا تعلق ذہن میں ہو۔ بلکہ اس طور سے کہ ہر مسلمان کو خالی وقت میں شوق میں کسی آیت یا حدیث کے زبان سے تکرار کرنے کی توفیق ہو ہی جاتی ہے۔ عین تلاوت کے وقت تو کچھ خیال نہیں آیا۔ بعد میں دفعۃً ذہن منتقل ہوا کہ یہ تو میرے مقصود پر صریح دال وناطق ہے(۲) میں نے اس کو من جانب اللہ سمجھا اور اس کو اپنے مضمون مقصود کا متمسک بنایا(۳)۔

ترجمہ آیت

رہا یہ کہ وہ مضمون کیا ہے سو وہ نفس ترجمہ سے ذہن میں نہ آویگا۔ مگر برکت کے لئے اول ترجمہ کسی قدر تفسیر کے ساتھ کئے دیتا ہوں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کردیں گے یعنی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے اللہ تعالیٰ ایک وعدہ فرماتے ہیں اور وعدہ بھی قریب کا۔ گو یہ آخرت کا وعدہ بھی ہوسکتا ہے کہ آخرت بھی قریب ہی ہے مگر سیجعل کے ''س'' سے متبادر یہی(۴) ہے کہ دنیا کا وعدہ ہے کیونکہ قرب متعارف دنیا ہی کو ہے چنانچہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کام جلدی ہوجائے گا تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بہت جلد ہوجائے گا۔ پس ہم کو بناء علی القواعد اللسانیہ(۵) یہ حق حاصل ہے جس شئے کی نسبت حق تعالیٰ جلدی ہوجانے کا

(۱) جو مضمون پر صراحتاً دلالت کرتی ہو (۲) واضح طور پر دلالت کررہی ہے اور اس مضمون کو بیان کرتی ہے (۳) میں نے اپنے مضمون کو اسی آیت سے ثابت کیا (۴) کیونکہ عربی قاعدہ سے مضارع پر جب سین داخل ہو تو قریب کے معنی دیتا ہے (۵) زبان کے مروجہ قواعد کی وجہ سے۔

وعدہ فرمادیں۔ اس کو دنیا کے وعدہ پر اور دنیا بھی بہت حاصل ہونے پر محمول کرلیں۔

بہرحال ایمان اور عمل صالح پر وعدہ ''ودا'' کا۔ جس کا نام محبت ہے، فرماتے ہیں: یعنی ایمان اور عمل صالح والوں کی محبت اللہ تعالیٰ پیدا کردیں گے اس مقام پر اہل علم اس کو یاد رکھیں کہ میں نے اس حاصل ترجمہ میں ''ود'' کو مصدر مبنی للمفعول یعنی مصدر مجہول لیا ہے۔ آگے چل کر یہ بات کام آئیگی۔ یہ تو ترجمہ ہوا آیت کا۔ اس ترجمہ سے وہ مضمون ذہن میں نہ آیا ہوگا۔ قبل اس کے کہ میں آیت سے اپنا مضمون مقصود استنباط کروں۔ اول اس مضمون کی تعیین کردوں۔ اور اس سے بھی اول سمجھنا چاہیے کہ وہ مسئلہ جس طرح قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ تمدن (۱) کا بھی مسئلہ ہے بلکہ تمدن پرستوں کے نزدیک تو تمامی مسائل تمدن کا وہی اصل الاصول اور راس اور اساس ہے (۲)۔ اور ان کا کوئی لیکچر وتقریر اس سے خالی نہیں ہوتا وہ مسئلہ کیا ہے اتفاق! ساری دنیا اس کی دعوت دیتی ہے خواہ اس کی حقیقت سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں۔ لیکن اس پر اتفاق ہے کہ اتفاق ضروری ہے۔ اور تمدن کے تمام اصول اس پر موقوف ہیں۔ کوئی اصل تمدن کے بغیر اس کے بارآور نہیں ہوسکتی۔ ہر چند کے اب شہرت کی وجہ سے یہ مسئلہ باوقعت نہیں رہا۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے اب بھی امہات مسائل (۳) سے ہے خصوصی تمدن کو اس کے ساتھ بہت ہی بڑا علاقہ (۴) بلکہ اس کا موقوف علیہ اور مبنیٰ ہے پس میں اس مسئلہ کو اس آیت سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

کمال قرآن حکیم

اور اس کے سننے کے بعد یہ بھی معلوم ہوجائیگا کہ قرآن مجید ہی وہ شئے

(۱) معاش (۲) اصل وبنیاد ہے (۳) اصل مسائل (۴) بہت ہی گہرا تعلق ہے۔

ہے کہ ہم کو ہر موقع اور ہر شئے میں اس کی ضرورت ہے۔ کوئی حالت ہماری ایسی نہیں کہ ہم کو اس کی ضرورت نہ ہو لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ اگر کپڑا بننے کی ضرورت ہو یا مکان بنانے کی ضرورت ہو۔ یا کوئی مشین چلانے کی ضرورت ہو تو اس کا بھی طریقہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ ہم اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔ اور نہ ہم اس کو نباہ سکتے ہیں۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اس کا بھی التزام کیا ہے۔ چنانچہ شیخ محی الدین بن عربی رحمہ اللہ کی ایک کتاب ہے شجرہ نعمانیہ اس کا نام ہے۔ انہوں نے اپنے زمانہ سے لیکر نفخ صور(۱) تک کے حالات صرف سورۂ روم کی اول آیات سے لکھے ہیں اور اس میں علم جفر وتکسیر وغیرہ سے کام لیا ہے حروف کے اعداد لے کر ان کے اندر کچھ قواعد جاری کئے ہیں۔ اصل میں تو واقعات ان کو منکشف ہوئے ہیں۔ انہوں نے خاص ذوق وسلیقہ(۲) سے ان آیات سے ان کو چسپاں کر دیا ہے۔ اور یہ سب رموز(۳) ہیں پھر اس کی شرح بھی خود ہی لکھی ہے وہ بھی رموز میں ہے۔ پھر کسی بزرگ نے اس کی بھی شرح لکھی ہے۔ لیکن وہ بھی رموز اور اشارات میں ہے باوجود اس قدر اخفاء کے پھر ڈر ہوا ہے کہ کوئی سمجھ کر ظاہر نہ کر ڈالے۔ اس لئے ماتن اور شارح دونوں نے بے انتہاء قسمیں دیں ہیں کہ اگر کوئی ان کو سمجھ جائے تو منہ پر نہ لائے۔

بعضوں نے اور علوم بھی قرآن مجید سے نکالے ہیں اور اسی بناء پر بعض لوگوں نے کہا ہے:

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنه افهام الرجال

''تمام علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن لوگوں کی فہم ان کے سمجھنے سے قاصر ہے''

مگر میں کہتا ہوں:

ومن مذهبی حب الدیار لاهلها وللناس فیما یعشقون مذاهب

(۱) صور پھونکے جانے تک (۲) بہت عمدہ طریقہ پر (۳) راز وپوشیدہ اسرار ہیں۔

''میرے ذوق میں مکینوں کے سبب ان کے مقام سے محبت ہوتی ہے لیکن اس بارے میں لوگوں کا ذوق جدا ہے''

کتاب کا کمال

ہر شخص کا مذاق جدا ہے ہمارا مذاق تو اس کے خلاف ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہر کتاب کا کمال اس کے موضوع کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یعنی جس فن کی وہ کتاب ہے اس فن میں یکتا ہونا اور زوائد سے خالی ہونا یہی اس کی خوبی ہے۔ طب اکبر کی یہ خوبی نہیں ہے کہ اس میں غیر طب کے بھی مسائل ہیں مثلاً صرف ونحو کے مسائل اس میں مذکور ہوں اس کا کمال تو یہ ہے کہ اس میں طب کے مسائل خوبی سے درج ہوں۔ ہاں ان کے ضمن میں یا ان مسائل کے تتمیم (۱) کے لئے اگر دوسرے فن کے مسائل آجائیں تو مضائقہ نہیں جیسے نفیسی کی کلیات میں فلسفہ سے کام لیا گیا ہے۔ پس قرآن مجید ایک طب کی کتاب ہے۔ آپ کو یہ جملہ سن کر شاید شبہ ہوا ہوگا کہ قرآن مجید میں گل بنفشہ کا تو کہیں ذکر نہیں پھر اس کو طب کیسے کہہ دیا؟ صاحبو! میری مراد طب سے جسمانی نہیں ہے۔ طب روحانی ہے یہ طب وہ ہے جس کی نسبت فرماتے ہیں:

چند خوانی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں راہم بخواں

''یونانی حکمت کی کتابیں کب تک پڑھتے رہوگے کچھ دن حکمت ایمانی یعنی معرفت کی کتابیں بھی پڑھو''

آگے دونوں طبوں کی غایت بیان فرماتے ہیں:

صحت ایں حس بجوئید از طبیب صحت آں حس بجوئید از حبیب

صحت ایں حس زمعموری تن صحت آں حس زتخریب بدن

(۱) ان مسائل کو مکمل طور پر بیان کرنے کے لئے۔

''حس جسمانی کو درست کرنا چاہتے ہو تو طبیب سے رجوع کرو اور اگر حس روحانی کی ترقی مقصود ہے تو مرشد کامل سے رجوع کرو۔ حس جسمانی تو بدن کی درستی سے ہوتی ہے اور حس روحانی کی صحت بدن کی تخریب سے ہوتی ہے''

تو قرآن مجید اس طب کی کتاب ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ طب بدنی کی کتابوں میں امراض بدنیہ اور ان کے علاج اور تدبیریں لکھی ہیں جس کا ثمرہ صحت وبقاء محدود دنیوی ہے اور قرآن مجید جس طب کی کتاب ہے اس میں امراض نفسانیہ اور ان کا علاج مذکور ہے اور اس کا ثمرہ ہلاکت ابدی سے نجات ہے۔ پس قرآن مجید میں صرف اس طب کے مسائل ہونا قرآن مجید کا یہی کمال ہے۔ اور دوسرے مسائل اپنے ذہن میں سے اس میں نکالنا یہ قرآن مجید کے لئے نقص کا باعث ہے۔ باقی بزرگوں کے کلام میں جو غیر فن کے بعض اسرار کا تعلق قرآن مجید سے متوہم ہوتا ہے وہ مدلولات کی حیثیت سے نہیں بلکہ لطائف کے درجہ میں ہے۔

قرآن حکیم سے سائنسی مسائل کا استنباط

آجکل بہت سے قرآن مجید دشمن دوست نما پیدا ہوئے ہیں ۔ جو قرآن مجید میں سے سائنس کے مسائل درجہ دلالت میں ثابت کرتے ہیں یہ سخت دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ تو فخر کے طور پر کہتے ہیں کہ جو مسئلہ اہل یورپ اور سائنس دانوں نے آج سمجھا ہے وہ قرآن مجید میں تیرہ سو برس پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکل چکا ہے۔ لیکن فی الواقع ؎

دوستی بے خرد چوں دشمنی ست حق تعالیٰ زیں چنیں خدمت غنی ست

''بے عقل کی دوستی دشمنی ہے حق تعالیٰ ایسی خدمت سے مستغنی ہیں''

خدا کو اور خدا کے کلام کو اس خیر خواہی کی ضرورت نہیں۔ یاد رکھو! اس

مسلک میں کئی طرح کی دشمنی ہے اور مولوی لوگ ان مسائل کی تحقیق اور قرآن مجید کے ساتھ زبردستی چسپاں ہوسکنے کی تقریر سے بے خبر نہیں ہیں۔ چنانچہ میں حالانکہ ایک ادنیٰ طالب علم ہوں مگر خود میرے پاس اس کا بڑا دفتر ذہن میں موجود ہے لیکن ان ہی خرابیوں کے سبب قرآن مجید سے ان کو کبھی متعلق نہیں کیا جاتا بقول بزرگ کے ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتدراز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کی نیست

''مصلحت نہیں کہ راز ظاہر کروں ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی خبر ایسی نہیں کہ نہ ہو''

ہمارے زمانہ کے یہ محققین تو یوں سمجھتے ہیں کہ ان ملاؤں کو خبر نہیں ہے۔ صاحبو! ان مدعیوں کو تو ایک ہی خبر ہے کہ یہ مسائل قرآن مجید سے اس طرح نکلتے ہیں اور ملاؤں کو اس کی بھی خبر ہے اور اس میں جو مضرت ہے(۱) اس کی بھی خبر ہے۔ چنانچہ اہل نظر و تحقیق کے نزدیک ایک خرابی جو اس کے لئے لازم غیر منفک ہے(۲) یہ ہے کہ جس فن کی وہ کتاب ہے وہ مسئلے اس فن کے نہیں۔

قرآن میں مسائل دنیویہ تلاش کرنے کی مثال

طب کی کتاب اگر کوئی لکھے اور اس میں ایک فصل تو لکھے امراض رأس(۳) کی اور آگے اس کے فعل فعلا فعلوا(۴) کی بحث لکھے پھر دوسری فصل لکھے۔ امراض بطن(۵) کی اور تیسری فصل میں یفعل یفعلان(۶) کی بحث لکھ دے تو یہ کتاب کیا ہوگی۔ آدھی میزان الطب اور آدھی میزان الصرف اس کو کہا جائیگا۔ پھر اس کو اگر اہل علم کے روبرو پیش کیا جائے تو اس کتاب کو کون پسند کرے گا۔ تو کیا

(۱) نقصان ہے (۲) ایک خرابی جو اس سے جدا نہیں ہوسکتی (۳) سر کے مرضوں کے بارے میں ہو (۴) علم الصرف کی ماضی کی بحث (۵) دوسری فصل میں پیٹ کے امراض لکھے (۶) علم الصرف کی مضارع کی بحث۔

قرآن مجید کو آپ ایسا بنانا چاہتے ہیں۔ کیا یہ قرآن مجید کے لئے نقص نہ ہوگا۔ دوسرے جو مسائل قرآن مجید سے یہ لوگ استنباط کرتے ہیں اور جن کے اوپر بڑا فخر وناز ہے وہ کوئی وقیع (۱) مسائل بھی نہیں سب ممدو معاون شکم ودہن (۲) کے ہیں تو جن کے نزدیک شکم و دہن اور ان کی خدمت بڑی چیز ہے ان کے نزدیک یہ مسائل بیشک مہتم بالشان اور مایہ فخر وناز ہونگے۔ ہم تو ان کو کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ اور اگر وہ ایسے مسائل ہوں جن میں شکم ودہن (۳) کی بھی امداد نہیں تو پھر تو بالکل ہی لغو ہونگے۔ کیونکہ نہ آخرت کے لئے مفید نہ دنیا کے لئے نافع۔ حاصل یہ کہ وہ مسائل اگر کچھ کام کے ہیں تو دنیا ہی کے کام کے ہیں تو جن کے نزدیک دنیا بڑی چیز ہے وہ ان مسائل پر فخر کرے اور جن کو دنیا اس کی اصلی حالت پر نظر آرہی ہو اور وہ اصلی حالت کیا ہے یہ ہے کہ ''لو کانت الدنیا عنداللہ جناہ بعوضۃ ماسقی منھا کافراً شربۃ ماء''۔ یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ پلاتے۔ پس ان کے نزدیک تو یہ مسائل باد درد رست اور نقش برآب (۴) سے بھی کم ہیں۔ ان تحقیقات کی اہل نظر کی نظروں میں ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص تھانہ بھون کا جغرافیہ لکھے اور اس میں اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ فلاں جگہ جامع مسجد ہے اور وہ ایسی ہے اور بازار اس قسم کا ہے۔ اور فلاں موقع پر قاضی نجابت علی خاں کا مکان ہے اور کس جگہ لونڈیوں نے کھیلنے کے لئے گارے سے پیر سکوڑا (۵) بنایا تھا۔ بھلے مانس نے اس جغرافیہ میں وہ بھی لکھ دیا تو ظاہر ہے کہ جغرافیہ داں اور اہل علم اس شخص پر کیسا کچھ ہنسیں گے اور کس قدر بے وقوف بنائیں گے۔

(۱) قابل وقعت (۲) پیٹ اور منہ کے معاون اور مددگار (۳) جن سے کچھ کھانا پینا اور پیٹ بھرائی بھی نہ ہو تو بالکل ہی بیکار ہیں (۴) ہوا کو باتوں میں قابو کر لینے اور پانی پر نقش قائم کرنے سے بھی کم درجہ رکھتے ہیں (۵) کسی جگہ چھوٹی بچیوں نے کھیلنے کے لئے گارے مٹی کا ایک کھیل بنایا تھا اس نے اپنے جغرافیہ میں اس کا بھی تذکرہ کر دیا۔

سواسی طرح اہل بصیرت بھی اس زمانہ کے محققین کی تحقیقات پر ہنستے ہیں واللہ! دنیا کے مسائل قرآن مجید میں ہونا ایسے ہی ہیں۔ بلکہ اس سے بھی کمتر جیسے اس جغرافیہ میں لڑکیوں کا ریت کا گھر۔

دنیوی علوم کو قرآن میں داخل کرنے کا مقصد

اور منشا اصلی ان تحقیقات کے قرآن مجید میں داخل کرنے کا یہ ہے کہ یہ لوگ اہل یورپ کو اللہ ورسول کے برابر۔ بلکہ خدا و رسول سے بڑھ کر جانتے ہیں۔ چنانچہ اگر اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ان کے موافق ہو تو مانتے ہیں ورنہ اس میں پھیر پھار کرتے ہیں۔ پس جو مسائل ان لوگوں نے سمجھے ہیں۔ قرآن مجید کو ان کے موافق بنانے کے لئے ان کو قرآن سے استنباط کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کے اقوال اور ان کی تحقیقات کو تو ان لوگوں نے اصل ٹھہرایا اور قرآن کو تابع۔

سواس منشاء کا فساد ظاہر ہے۔ سو بناء بھی فاسد(۱)۔ پھر اس پر ان مسائل کا بوجھ دنیوی ہونے کے سبب بے وقعت ہونا گویا مبنی کا فاسد ہونا ہے(۲) پھر قرآن مجید سے استنباط کرنا بناء الفاسد علی الفاسد(۳)۔ چنانچہ ان کے بے وقعت ہونے کی مسلمان کے نزدیک یہ کافی دلیل ہے کہ خدا ورسول تو دنیا کی تحقیر اور توہین کرتے ہیں۔ اور پھر ان حضرات کو اس پر فخر ہے۔

دنیاوی دولت کا آخرت میں مقام ومرتبہ

یاد رکھئے! آپ کے نزدیک اس وقت دنیا قابل قدر ووقعت ہے اور جب كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کا ظہور ہوگا۔ اور آپ جو اس وقت من چنیم من چنانم(۴)

(۱) ان مسائل کو اس پر مبنی کرنا ہی غلط ہے (۲) جن پر مبنی کیا وہ خود غلط (۳) ایک غلط بات پر غلط بات کو مبنی کیا گیا ہے (۴) میں یہ اور میں وہ ہوں کہہ رہے ہیں۔

کررہے ہیں آپ بھی اس من (عربی من) میں داخل ہوجائیں گے(۱)۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ ہم کس مہملات میں مبتلا تھے۔ آج جس سکہ کی قدر ہے کل وہاں اس کی کچھ قدر نہ ہوگی۔ اور اس سکہ کی وہی مثال ہوگی کہ باپ نے اپنے لڑکے نادان کو ایک روپیہ (۲) جس پر سیاہی لگی ہوئی تھی (۳) دیا لڑکا اس کو لے کر جو باہر نکلا تو کسی ٹھگ (۴) نے دیکھ لیا ٹھگ کے پاس ایک شیشہ (۵) کا ٹکڑا تھا جو چمک دمک ظاہری میں اس روپیہ سے بڑھ کر تھا اس لڑکے کو اس نے دھوکہ دے کر وہ روپیہ لے لیا۔ اور شیشہ کا ٹکڑا دے دیا(۶)۔ اب لڑکا خوش ہے کہ میرے پاس روپیہ ہے جب بازار پہنچے تو میوہ فروش (۷) کو وہ روپیہ دیا اس نے اٹھا کر پھینک دیا کہ یہ روپیہ یہاں نہیں چلتا۔ یہ مصنوعی اور ظاہری بازار میں چلتا ہے۔ یہ تو واقعی اور سچا بازار ہے۔ یہاں سچا سکہ چلے گا اب یہ لڑکا تہی دست رہ گیا اس وقت سمجھ میں آیا ؎

کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر تہید ست را دل پراگندہ تر

اس وقت سوائے حسرت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ یہ سب قصہ موت کے ساتھ ہی نظر آجائے گا۔ یہ سائنس کے مسائل اور ان تحقیقات جدیدہ کا وہاں پتہ بھی نہ لگے گا وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (۸) الحاصل ایک خرابی تو قرآن شریف سے مسائل سائنس وغیرہ نکالنے کی یہ ہوئی۔

---

(۱) یعنی آپ بھی فنا ہوجائیں گے (۲) یہ روپیہ ہر انسان میں جو قبول حق کی استعداد اللہ نے رکھی ہے اس کی مثال ہے (۳) یہ روپے کی سیاہی انسان کے نفس اور طبیعت کی ناگواری کی مثال ہے (۴) یہ ان کی مثال ہے جو انسانوں اور جنات میں سے دین کو نقصان پہنچانے والے ہیں (۵) یہ شیشہ مثال ہے دنیا کے ساز وسامان کی جس کو حاصل کرنے کے لئے لوگ اپنا دین برباد کرتے ہیں اور دنیا حاصل کرتے ہیں (۶) خلاصہ یہ کہ اس ٹھگ نے دنیا کی طرف راغب کرکے دین برباد کیا اور پوری عمر ضائع کرادی کہ جس عمر کو دین کے کام میں لگا کر آخرت کے حقیقی سکے کما سکتا تھا (۷) بیچنے والے (۸) سورۃ الانعام:۹۴۔

سائنسی تحقیقات کو قرآن پر منطبق کرنے کا نقصان

دوسری خرابی یہ ہے کہ سائنس کے مسائل ہمیشہ متبدل(۱) ہوتے رہتے ہیں۔ پرانی سائنس آجکل گرد ہورہی ہے۔ حال کی سائنس میں خود اختلاف ہے۔ اور ممکن ہے کہ آئندہ جو محققین پیدا ہوں ان کی تحقیقات اس کے بالکل خلاف ہوں تو آج اگر کسی سائنس کے مسئلہ کو قرآن مجید کی تفسیر بنادیا اور یہ ثابت کردیا اور تسلیم کرلیا کہ یہ مدلول قرآنی ہے تو کل کو جب کہ ان مسائل کی غلطی ثابت ہوجائیگی۔ ایک ادنیٰ سا ملحد اس کو غلط ثابت کرکے پھر اس سے قرآن مجید کا نعوذ باللہ خلاف واقع ہونا دکھلادے گا۔ اور مخالفین کو یہ کہنے کی گنجائش ہوجائیگی کہ تمہارے مذہب کی یہی کتاب ہے جس میں ایسے خلاف واقع مسائل ہیں۔ پس یہ مسلک درحقیقت قرآن کی خیرخواہی نہیں بلکہ بدخواہی ہے۔

یورپ کی کاسۂ لیسی

تیسری خرابی اور ہے اور اس کو میں بے غیرتی سے تعبیر کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان مسائل کو مدلول قرآنی بناتے ہیں گویا اہل یورپ کو احسان جتلانے کی گنجائش دیتے ہو کہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری بدولت آج قرآن مجید کے معنی معلوم ہوئے۔ اگر ہم ان مسائل کی تحقیق نہ کرتے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر اس وقت تک کسی کو قرآن مجید کا پتہ نہ لگتا اور تم کو غیرت دے دے کر وہ کہیں گے کہ کہاں گئے ابوبکرؓ کہاں گئے عمرؓ کہاں ہیں غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور کہاں ہیں ابن عباسؓ۔

دیکھو ان حضرات میں سے کسی نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا۔ پھر سمجھایا کس نے یورپ کے دہریوں نے جرمن کے ملحدوں نے۔ افسوس جب ایسا ہوگا تو ڈوب

(۱) بدلتے رہتے ہیں۔

مرنے کا وقت ہوگا۔خدا کی قسم ہے ہمارے یہاں سب کچھ ہے اور دوسروں کے یہاں کچھ نہیں کیوں ان کا کاسہ لیسی کی جاتی ہے اور کیوں قرآن مجید میں ان کی خاطر سے تحریف کی جاتی ہے ۔

بر ہوا تاویل قرآں میکنی پست وکثر شداز تو معنی سنی
چوں ندارد جان توقند یاہا بہر بینش میکنی تاویلہا
کردہ تاویل لفظ بکررا خویش را تاویل کن نے ذکر را

''ہوا پر (۱) قرآن میں تاویل کرتے ہو جس سے اس کے روش کے معنی پست اور کج ہوجاتے ہیں، تمہارے اندر قرآن کے سمجھنے کا فہم ہی نہیں اس لئے تاویلات کرتے ہو، قرآن کے سمجھنے کا فہم پیدا کرو اور تاویلات کو چھوڑو''

علوم قرآن کی خوبی

خود تمہارے اندر سب کچھ ہے۔تمہارے اندر وہ نور موجود ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے تم کو کسی کی حاجت نہیں۔اس نور کی طرف توجہ کرو۔دیکھو تو کیا کیا علوم کھلتے ہیں۔جن کے سامنے یہ علوم مادیہ سب خرافات نظر آئیں گے ۔

بینی اندر خود علوم انبیا بے کتاب و بے معید اوستا

''اپنے اندر بے کتاب اور بغیر معین واستاد کے انبیاء جیسے علوم پاؤ گے''

اس وقت تم کو معلوم ہوگا کہ وہ سب تحقیقات بچوں کا کھیل تھا۔پس اے مہذبین کی جماعت اس کا ہرگز ہرگز وسوسہ بھی نہ لاؤ کہ قرآن مجید میں ساری چیزوں کو ٹھونسو۔

(۱) نفسانی خواہشات پر۔

قرآنی سائنس کا مقصود

ہاں اگر ضمناً تبعاً کوئی مسئلہ اس حیثیت سے آجائے کہ اس کو بھی طب روحانی میں دخل ہو تو اور بات ہے۔ چنانچہ اتنی سائنس قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ جہاں ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴾(۱)

''یعنی بے شک آسمان وزمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ادل بدل میں اور جہازوں میں، جو چلتے ہیں سمندر میں، وہ چیزیں لے کر جو نفع دیتی ہیں لوگوں کو اور پانی میں جو اتارا ہے اللہ نے آسمان سے۔ پھر جلا دیا اس سے زمین کو اس کے مرنے (خشک ہونے) کے بعد اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل میں جو گھرا ہوا ہے آسمان زمین کے درمیان میں (سب میں) دلیلیں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو عقل رکھتے ہیں۔ سو ان آیات سے ان چیزوں کی تحقیقات منظور نہیں کہ اس حیثیت سے اس کا طب روحانی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس سے مصنوع سے صانع (۲) پر استدلال کیا ہے کہ یہ سب مصنوع ممکن ہیں ان کے لئے کوئی محدث (۳) ضروری ہے اور اس حیثیت سے اس کا تعلق طب روحانی سے ظاہر ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ

(۱) سورۂ البقرۃ:۱۶۴ (۲) ان اشیاء سے ان کے بنانے والے پر استدلال کیا ہے (۳) ان مصنوعات کو کوئی بنانے والا ضرور ہے۔

لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾(۱)

''یعنی اور ہم نے بنایا آدمی کو سنی ہوئی مٹی سے۔ پھر ہم نے اس کو رکھا نطفہ بنا کر مضبوط بنا کر (عورت کے رحم) میں۔ پھر ہم نے بنایا اس نطفہ کو لوتھڑا۔ پھر ہم نے اس لوتھڑے کی بنائی بوٹی۔ پھر بنائی بوٹی کی ہڈیاں۔ پھر پہنا دیا ہڈیوں کو گوشت۔ پھر اس کو بنا کر کھڑا کیا۔ ایک نئی صورت میں۔ تو بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے''

دیکھئے! اس آیت میں سائنس انسانی کے تمام تقلبات (۲) واطوار موجود ہیں مگر اس میں کاوش نہیں کی گئی۔ اور نہ اس حیثیت سے بیان کیا کہ ماہیات بیان کی جائیں۔ بلکہ مقصود قدرت پر استدلال ہے اور بیان بھی سیدھی طور سے ہے جس کو ساری دنیا سمجھ سکتی ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید کے مخاطب تمام عالم کے افراد ہیں اور ان میں سب طرح کے ہیں۔ اکثر تو عوام ہیں اس لئے اس کے خطابات بھی ایسے ہیں کہ جس کو ہر عامی (۳) سمجھ سکتا ہے۔

(۱) المؤمنون:۱۴ (۲) تخلیق انسانی میں جو انقلابات آتے ہیں سب کا ذکر اس آیت میں ہے۔ (۳) سوال۔ اس مقام پر شبہ ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ لاتقفنی عجائبہ کیا ان عجائب میں یہ مسائل فلسفیہ شامل نہیں ہوسکتے اور کیا ہر عامی کا سمجھنا اس حدیث کے معارض نہیں۔ جواب عجائب سے مراد اگر علوم فلسفیہ ہوں تو لازم آتا ہے کہ صحابہ میں سے کسی نے ان عجائب کی ایک فرد بھی نہیں سمجھی۔ کیونکہ کسی صحابیؓ نے قرآن مجید سے ان چیزوں کو کبھی نہیں بیان کیا۔ عجائب سے مراد علوم نافعہ فی الآخرۃ ہی ہیں کہ وہ دوسرے دلائل صحیحہ کے بھی مدلول ہیں لیکن اہل فہم عالی کو قرآن مجید سے بھی مفہوم ہوجاتے ہیں جن کو حضرت علیؓ نے فرمایا ہے الا فھما اوتیہ الرجل فی القرآن اور عامی کو سمجھ سکنا ہر مضمون کے لئے عام نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جتنے حصہ کو ضروریات دین میں دخل ہے اس پر وجہ دلالت اور جو اس کے لئے مقدمات بیان کئے گئے ہیں ان کا مفہوم و مدلول عام فہم ہے ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ﴾ (سورۃ القمر:۴۰) اس کی دلیل ہے اور ضروریات دین کی تعریف اہل علم کے نزدیک معروف ہے۔ اشرف۔

غرض سائنس وغیرہ کے مسائل قرآن مجید میں اتنے ہی لئے گئے ہیں کہ جن کو نجات ابدی میں دخل ہے پس میں نے جو دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید کی ہم کو ہر موقع میں ضرورت ہے اور ہر جگہ کام آتا ہے۔ اس ہر موقع سے مراد طبعیات اور ریاضیات وطرق معاشق کے مواقع نہیں بلکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جن امور کو فلاح اخروی میں دخل ہے خواہ اس کا وقوع دنیا میں ہو یا آخرت میں ہو اس میں ہم کو قرآن مجید کی ضرورت ہے اور جو محض دنیا ہی ہو یا کہ نہ دنیا ہو نہ آخرت کے متعلق ہو بلکہ لغو ہو۔ قرآن مجید کو اس سے بحث نہیں (یعنی اس کے تحصیل کے طرق قرآن مجید میں نہیں ہیں) باقی جواز وعدم جواز کی حیثیت سے اس سے بھی بحث ہے۔

تعلیم اتفاق

سوان امور دنیویہ نافعہ فی الدین میں سے ایک اتفاق بھی ہے کہ وہ قرآن مجید میں مامور بہ ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾(۱) ''یعنی اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ تم بزدل وست ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ دیکھئے اس آیت میں مسئلہ اتفاق کو بیان فرمایا ہے۔ اس پر بے شک ہم فکر کریں گے کہ قرآن مجید نے ہم کو کیسے عجیب وغریب مسئلہ کی تعلیم کی ہے۔ اور جی کھول کر ہم اس کو مدلول ومنصوص قرآنی کہیں گے۔

قرآنی مدلول اور منطبق کا فرق

باقی اور علوم جو بزرگوں نے قرآن سے نکالے ہیں۔ ان کو یہ کہیں گے کہ منطبق علی القرآن (۲) ہیں۔ مدلول قرآن نہیں ہیں۔ یوں نہ کہیں گے کہ ثابت

(۱) سورۃ الانفال: ۴۶ (۲) قرآن پر منطبق ہوتے ہیں۔

بالقرآن ہیں۔ ہاں منطبق موافق کہہ دیں گے۔ چنانچہ اوپر بھی اجمالاً عرض کیا گیا ہے۔

اور مدلول اور منطبق میں بڑا فرق ہے۔ ایک مثال سے آپ کو اس کا فرق ظاہر ہوگا۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس حجام آیا اور اس نے کہا کہ خط بنوالیجئے۔ اس نے جواب دیا کہ بڑھنے دو۔ اتفاق سے جس وقت اس نے جواب دیا تھا لڑکے والوں کی طرف سے ڈوم بھی ان کی لڑکی کی شادی کا خط لے کر آیا۔ وہ بھی اتفاق سے اس جواب سے اپنا مطلب نکال لے تو یہ جواب ''بڑھنے دو'' دونوں سوالوں کا ہوسکتا ہے۔ اول سوال کا تو اس طرح کہ خط بڑھنے دو۔ جب بڑھ جائیگا بنوائیں گے۔ دوسرے سوال کا اس طور پر کہ لڑکی ابھی چھوٹی ہے۔ اس کو بڑھنے دو۔ پس پہلے معنی کو تو مدلول کہیں گے مدعا پر اور دوسرے کو صرف منطبق کہیں گے۔ قصد تو یہ تھا کہ نائی کا جواب دیں لیکن یہ کلام کی لطافت ہے کہ وہ ڈوم کا بھی جواب ہوگیا۔ پس اس کو نکتہ اور لطیفہ کہہ سکتے ہیں۔ اور تفسیر نہیں کہہ سکتے۔

صوفیاء کے تفسیری نکات

یہاں سے ایک بات اور کام کی سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ صوفیہ کرام نے آیات کے متعلق کچھ بصورت تفسیر کے کہا ہے مثلاً اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (۱) ''فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے'' کے متعلق لکھا ہے اذهب ايها الروه الى لانفس انه طغى ''اے روح نفس کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے'' اور اذبحوا بقرة النفس ''ذبح کرو نفس کے بیل کو'' تو ان تاویلوں کو دیکھ کر دو جماعتیں ہوگئی ہیں۔ ایک تو جو صوفیہ کی محبت سے خالی ہیں

(۱) سورۃ طٰہٰ: ۲۴۔

اور یحمل النصوص علی ظواھرھا کے (۱) پورے پابند ہیں۔ انہوں نے تو ان تاویلات کا بالکل انکار کر دیا کہ کہاں فرعون کہاں نفس کہاں موسیٰ کہاں روح۔ یہ تو ایسا ہے کہ زمین بول کر آسمان مراد لے لیں۔ اور صوفیہ کو اس بناء پر ضال و محرف (۲) کہہ کر ان کے منکر ہوگئے۔ سو ان کو تو یہ فرد (۳) ہوا کہ حضرات اہل اللہ کے برکات سے محروم ہوئے۔

دوسرے وہ تھے جو ان حضرات کی محبت میں غرق ہیں وہ یہ کہنے لگے کہ قرآن کا مدلول اور تفسیر یہی ہے علماء ظاہر نہیں سمجھے اس میں تو سارا قصہ باطن کا ہے۔ پھر اس بات میں ان غالیین کا یہاں تک غلو بڑھا کر بعض جگہ تو انہوں نے قرآن مجید کی گت ہی بنادی۔

جدید مصلحین کی مثال

جیسے ایک حکایت ہے کہ ایک جلد ساز تھے جو شخص کتاب یا قرآن جلد بندھوانے لاتا تھا۔ وہ اس میں کچھ اصلاح ضرور کر دیا کرتے تھے۔ ایک شخص قرآن شریف جلد بندھوانے کے لئے ان کے پاس لائے اور کہا کہ اس کی جلد باندھ دو مگر شرط یہ ہے کہ کچھ اصلاح نہ دیجو کہنے لگے کہ اب تو میں نے توبہ کر لی ہے۔ جب جلد تیار ہوگئی اس شخص نے پوچھا کہ کچھ اصلاح تو نہیں دی کہنے لگے کہ توبہ توبہ میں کیا اصلاح دیتا۔ مگر دو تین جگہ تو صریح غلطی تھی اس کو صحیح کر دیا۔ ایک جگہ تو یہ تھا عصٰی آدم تو یہ صریح غلطی ہے عصا تو موسیٰ کا تھا۔ میں نے اس جگہ بجائے آدمؑ کے موسیٰؑ بنادیا ہے۔ اور ایک جگہ نادنانوح تھا تو نوح تو دانا تھے میں نے وہاں

(۱) نص قرآنی کو ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں (۲) گمراہ اور قرآن میں تحریف کرنے والا کہہ کر (۳) ان کا یہ نقصان ہوا۔

ناکاٹ کر اس طرح کر دیا ہے ولقد دانا نوح اور ایک مشترک اور عام غلطی تھی وہ یہ کہ جگہ جگہ فرعون۔ قارون، ابلیس کا نام تھا۔ تو ایسے کفار ملعونوں کا قرآن میں کیا کام۔ وہاں میں نے اپنا اور تمہارا نام لکھ دیا۔ کہا خدا تیرا ناس کرے تو نے میرا قرآن شریف ہی کھو دیا۔

تو وہ مصلح صاحب اسی مذاق کے ہوں گے۔ واللہ! یہ لوگ بالکل ہی برباد ہوئے خدا کی قسم ہے کہ قرآن کا یہ مدلول ہرگز ہرگز نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روزہ نماز سب اڑ گیا۔ اس لئے کہ تمام نصوص کے مدلولات کو بلکہ تمام شریعت کو ان لوگوں نے بدل دیا۔

جاہل پیر کا استدلال

میرے ایک دوست رئیس ''پیران کلیر''(۱) گئے تھے۔ ایک طرف سے آواز آئی ابے او مرغے! انہوں نے کچھ التفات نہ کیا پھر آواز آئی۔ انہوں نے اس طرف دیکھا تو کہا اے! تجھ کو ہی بلاتے ہیں یہاں آ یہ گئے کہ دیکھیں کیا کہتے ہیں کہنے لگے کہ دیکھ اللہ تعالیٰ نے جب روحوں کو پیدا کیا تو سب کو جمع کر کے حکم دیا کہ بنگ بوزہ مت چھوڑنا تو ہم تو قریب تھے ہم نے صحیح سنا اور مولوی لوگ دور تھے انہوں نے بجائے بنگ بوزہ کے نماز روزہ سن لیا۔ جاؤ یہ نکتہ ہے مرشدوں کا۔

یاد رکھو! ان تفسیروں کی بدولت یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ ایسے صوفیوں نے ناس کیا ہے دین کا۔ خود بھی تباہ ہوئے اوروں کو بھی تباہ کیا۔ سو یہ تو محض لغو وخرافات ہیں لیکن اس وقت کلام ہے صوفیہ محققین کی تاویلات واشارات میں۔ سو اسمیں بعضے تو ان کے ہی منکر ہو گئے اور بعضے مفسرین کے منکر ہو گئے۔

(۱) جگہ کا نام ہے۔

صوفیاء کی تفاسیر کی حقیقت

اب رہ گئے ہیں ہم بیچ میں کہ ہم قرآن کو کلام اللہ اور صوفیہ کو اہل اللہ جانتے ہیں تو دونوں کی اعانت وحفاظت کے لئے ضرور ہوا کہ ان تاویلات کو ایسے معانی پر محمول کیا جائے کہ کلام اللہ کی بھی تحریف نہ ہو اور اہل اللہ کا کلام بھی خلاف قواعد شرعیہ نہ ہو اس لئے ہم کہتے ہیں کہ صوفیہ کرام نے جو آیات کے معنی بیان کیے ہیں۔ یہ فی الواقع تفسیر نہیں ہے اور نہ وہ حضرات مدلول ظاہری کے منکر ہیں ان کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ قرآن میں فرعون سے نفس اور موسیٰ سے روح اور بقرہ سے نفس مراد ہے جو کچھ وہ فرمارہے ہیں یہ علم اعتبار کہلاتا ہے اور علم اعتبار یہ ہے کہ دوسرے کے حال پر اپنے حال کو قیاس کیا جائے۔

تو مطلب یہ ہے کہ فرعون کے قصہ پر اپنے حال کو بھی قیاس کرو اس کی ایسی مثال ہے جیسے زید نے ایک کام عمرو کی دیکھا دیکھی کیا اور اس میں اس کو ناکامی ہوئی تو اس موقع پر کہتے ہیں کہ کوّا چلا تھا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔ تو اس کلام میں کوے سے مراد زید اور ہنس سے مراد عمرو یقیناً نہیں ہے کہ کوے سے مراد کوا ہے اور ہنس سے ہنس ہی مراد ہے۔ اور حاصل اس کا یہ ہے کہ دو موقع ایک حالت کے اندر مطابق ہیں۔ ایک موقع پر جو نظر پڑی تو دوسرا موقع اس کو دیکھ کر یاد آ گیا۔ اور ایک کو دوسرے کے ساتھ تشبیہ دے دی۔ مثلاً یہاں زید وعمرو اور ان کے قصہ کو کوے ہنس اور ان کے قصہ سے تشبیہ دے دی۔ پس اذھب ایھا الروح الخ سے یہ مراد ہے کہ اے قاری! جب تو قرآن پڑھے اور یہاں پہنچے تو اس قصہ سے یہ سبق لو کہ تمہارے اندر بھی ایک چیز فرعون کی مشابہ اور ایک چیز موسیٰ کے مشابہ ہے۔ قصہ کو قصہ ہی کے طور پر مت پڑھو۔ بلکہ قرآن شریف کے ہر ہر موقع سے اپنی حالت پر

مطابق کرتے جاؤ۔ اور اس سے نصیحت اور عبرت حاصل کرتے جاؤ یہ مطلب ہے صوفیہ کرام کا۔ پس دونوں فرقے غلطی پر ہیں جو ان کا بالکل انکار کرتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں۔ اور جو ان کو تفسیر مدلول قرآنی قرار دیتے ہیں وہ تو بالکل ہی گئے گزرے ہیں۔ یہ تاویلات لطائف اور نکات کے درجہ میں ہیں تفسیر نہیں ہیں اور ان کو علوم قرآنیہ نہیں کہہ سکتے علوم قرآنیہ وہ ہی ہیں جس پر عبارت النص یا اشارۃ النص یا اقتضاء النص یادلالۃ النص سے استدلال(۱) ہوسکے۔ ورنہ وہ نکات ولطائف کا درجہ ہے۔ جیسے کسی شخص نے آیت ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا﴾ ''اور قیامت کے دن سب کے سب اس کے پاس تنہا تنہا حاضر ہوں گے'' کے متعلق کہا تھا۔ کہ قیامت آئندہ آنے والی ہے اس لئے قرآن مجید میں فرداً کہا گیا۔ فرداً کہتے ہیں کل کے دن کو۔ یہ ایک نکتہ ہے ورنہ فرداً بمعنی کل فارسی ہے اور آیت میں فرداً سے مراد متفرداً متوحداً ہے۔ اہل لطائف نے کہیں کہیں ایسے نکتوں سے کام لیا ہے گو شرعاً بعض جگہ پسندیدہ نہیں ہے۔

ناپسندیدہ تاویلات

جیسے ایک جولاہا تھا اس نے دو چار سورتیں پڑھ لیں تھی۔ مگر ماں کا حق ادا نہ کرتا تھا۔ اس کی ماں اس کو لے کر ایک بزرگ کی خدمت میں آئی کہ دیکھئے حضرت! یہ میرا حق ادا نہیں کرتا ان بزرگ نے فرمایا کہ بھائی تم ماں کا حق کیوں نہیں ادا کرتے کہا کہ حضرت قرآن میں تو ماں کا حق ہی نہیں آیا۔ ان بزرگ نے پوچھا کہ تو نے کچھ قرآن پڑھا ہے کہنے لگا جی ہاں اَلَمْ تَرَ كَيْفَ تک یاد ہے ان

(۱) قرآن کریم سے مسائل کے مستنبط کرنے کے یہ چار ہی طریقے ہیں قرآن کی عبارت سے صراحتاً وہ معنی معلوم ہورہے ہیں یا عبارت قرآن سے بطور اشارہ کے وہ بات معلوم ہو یا وہ نص قرآن کا مقتضاء ہو یا نصف قرآنی اس معنی پر دلالت کرتا ہو۔

بزرگ نے فرمایا کہ تبت پڑھو اس نے پڑھی جب مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ''اس کا مال اور اس کی کمائی اس کے کچھ کام نہ آئی' پر پہنچا تو فرمایا کہ دیکھ تو کہتا ہے کہ ماں کا کچھ حق نہیں قرآن میں تو یہ ہے کہ ماکسب یعنی ماں کا سب ہے وہ مان گیا اور اسی دن سے عہد کیا کہ ماں کی خدمت کیا کروں گا۔ اس لطیفہ سے یہ تو فائدہ ہوا کہ وہ ماں کا حق ادا کرنے لگا لیکن ضرر بھی ہوا کہ ساری عمر اسی جہل میں مبتلا رہے گا۔ ایسے ہی ایک شخص ایک مولوی صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ مولوی صاحب تم کہتے ہو کہ قرآن میں سب چیزوں کا ذکر ہے۔ یہ تو بتلاؤ کہ قرآن میں باؤ مرہٹہ کا بھی ذکر ہے مولوی صاحب نے کہا ہاں ہے اور مذمت کے ساتھ ذکر ہے وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ''اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے'' کہ باؤ اللہ کے غضب میں ہے یہ نکات ہیں۔ بلکہ نکات بھی ان کو نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ نکتہ وہ ہے کہ جس سے تفسیر نہ بدلے یہاں تو تفسیر ہی بدل جاتی ہے۔

لطائف اور نکات بھی وہ ہی مقبول ہیں جن کا انطباق بھی ہو جائے اور تفسیر نہ بدلے اس واسطے میں ان دونوں قصوں کے جواب کو ناپسند کرتا ہوں۔ پس اس تمام تر تقریر سے معلوم ہو گیا کہ نہ تو شیخ اکبر اور دیگر صوفیہ قدس اسرارہم پر کچھ اعتراض ہو سکتا ہے اور مفسرین نے جو تفسیر اور مدلول قرآنی بیان کیا ہے نہ اس میں کچھ شبہ ہے ہاں اعتراض اہل غلو پر ہے جو انکا یا انکا انکار کرتے ہیں خواہ وہ اہل غلو برنگ جہلاء ہوں یا بہیئت علماء ہوں۔ یہ مفصل گفتگو تھی۔ بعض اشارات ولطائف قرآنیہ کے متعلق جو جملہ معترضہ کے طور پر آ گئی۔

مسائل دینیہ میں منافع دنیوی پر نظر

اب مضمون مقصود کی طرف عود کرتا ہوں کہ قرآن نے ہم کو اس مقام پر

مسائل تمدن میں سے ایک مفید مسئلہ اتفاق کی تعلیم بھی فرمائی پس وہ اس وجہ سے شریعت میں مامور بہ ہے[1] اور دنیا دین دونوں حیثیتوں سے ضروری ہے اور اصلاح دین بھی اس سے ہوتی ہے اور اصلاح دنیا بھی جو لوگ دیندار ہیں ان کی نظر تو اس کے منافع دین پر ہے اور جو دنیادار ہیں ان کی نظر اس کے منافع دنیا پر ہے۔ خصوصاً ہمارے زمانہ کے ترقی خواہ بھائیوں کے نزدیک تو بڑا قبلہ وکعبہ دنیا ہی ہے۔ حتی کہ اس کے نزدیک تو خالص دینی کام میں بھی دنیا ہی کی مصلحت پیش نظر رہتی ہے اور اس کی وقعت اسی مصلحت دنیوی کے سبب ہوتی ہے اور یہ مذاق اہل یورپ سے ماخوذ ہے چنانچہ ایک جرمی ڈاکٹر نے نماز کے منافع لکھے ہیں کہ نماز ایسی اچھی ورزش ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی ورزش کے ضرورت نہیں اور صحت خوب قائم رہتی ہے۔

اس بھلے مانس نے نماز کو اتنا ہی سمجھا آگے ذہن ہی نہیں گیا۔ جیسے کسی مولوی صاحب نے ایک گنوار کو نصیحت کی کہ نماز پڑھا کر کہا بہت اچھا۔ چند روز کے بعد مولوی صاحب سے کہا کہ مولوی جی نواج (نماز) بہت پھائدے (فائدہے) کی چیج (چیز) ہے مجھے بائی (ریاح) کی بیماری تھی جب موندھا (اوندھا) پڑوں جب ہی بادی نکڑی (نکلتی ہے) جیسے اس گدھے نے نماز کا یہی فائدہ سمجھا تھا ایسے ہی اس جرمنی محقق نے نماز کا فائدہ اتنا ہی سمجھا۔ مگر ہمارے ترقی یافتہ بھائی ایسی باتوں سے خوش ہوتے ہیں اور ریجھے جاتے ہیں اور اگر کوئی ہم سے پوچھے تو ہم تو یہ کہیں گے کہ اس جرمنی کی اس تحقیق کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی کے پاس پانچ سو روپیہ کا دوشالہ ہو اور وہ اس کے منافع یہ بیان کرے کہ یہ دوشالہ بہت

(۱) شریعت میں اس کا حکم اس لئے دیا گیا۔

اچھی شے ہے سفر میں اگر کہیں سوختہ(۱) نہ ملے تو اس کو جلا کر چائے پکا سکتے ہیں۔ تو فی نفسہٖ یہ صحیح ہے کہ چائے اس سے پک سکتی ہے لیکن کیا اس شخص کو یہ نہ کہا جائے گا کہ اس نے اس دوشالہ کی قدر نہیں جانی۔

نماز کے فائدے ہم سے پوچھو اور ہم سے کیا ہم کیا چیز ہیں۔ حق تعالیٰ سے پوچھو اور ''ہم سے پوچھو'' میں نے اس لئے کہہ دیا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ درحقیقت حق تعالیٰ کا کہا ہوا ہے ہماری تو وہ مثال ہے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ استاد ازل گفت ہمی گویم(۲)

نماز کا اصلی فائدہ

سو نماز کا فائدہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی سجدہ کرو اور اللہ کے قریب ہو جاؤ۔ پس نماز کا اصلی مقصود قرب ہے مولانا فرماتے ہیں:

قرب نہ پستی بہ بالا رفتن است بلکہ قرب از قید ہستی رستن ست

یعنی قرب اس کا نام نہیں ہے کہ نیچے سے اوپر چلے جاؤ بلکہ قرب یہ ہے کہ قید ہستی سے چھوٹ جاؤ اس لئے کہ اوپر جانا قرب جب ہوتا کہ خدا تعالیٰ کا مکان اوپر ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ مکان سے پاک ہے پس اس کا قرب یہی ہے کہ اپنی ہستی کو خاک میں ملا دو اسی کو وصل کہتے ہیں۔

بعض لوگ وصل کے خدا جانے کیا کیا معنی سمجھتے ہیں وصل کے معنی اہل فن سے پوچھیئے شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(۱) جلانے کے لئے لکڑیاں نہ ملیں (۲) ''آئینہ کے پیچھے مجھے طوطی کی طرح رکھا ہے جو کچھ استاد ازل نے کہا تھا وہی کچھ میں کہہ رہا ہوں''۔

تعلق حجاب ست و بے حاصلی چو پیوند ہا بکسلے واصلی(۱)

یعنی غیر کے ساتھ کے علاقے جب قطع کرو گے واصل ہوجاؤ گے یہی تعلق حجاب ہے پس سجدہ کی غرض اپنی اس ہستی وتعلق کو مٹانا اور ہستی کا مٹانا یہ نہیں ہے کہ سنکھیا کھا کر مر رہو۔ مطلب یہ ہے کہ دعویٰ اور انانیت دماغ میں سے نکالو یہ سجدہ اسی کا سامان ہے اس لئے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور پھر تمام اعضاءِ انسان کے اندر اشرف چہرہ ہے اسی واسطے چہرہ پر مارنا حرام ہے۔

حکم ہے کہ مجرم کے بھی چہرہ پر مت مارو قتل کرنا جائز اور چہرہ پر مارنا ناجائز۔ اس لئے کہ چہرہ معظم ہے تو ایسے شریف عضو کو حکم ہے کہ ارزل الاشیاء کے ساتھ ملصق (۲) کردو یعنی زمین کے ساتھ جو بہت سے وجوہ سے اور نیز باعتبار چیز کے پست ترین مخلوق ہے تو یہ کا ہے کی تعلیم ہے اسی کی تعلیم ہے کہ اپنے کو مٹادو اور ہستی کو کھودو کہ تمہاری ہستی تمہارا حجاب بن رہی ہے حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میان عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز (۳)

پس نماز کی یہ حکمت ہے۔ مگر جرمنی صاحب نے چونکہ ورزش اس کی حکمت بیان کی ہے تو ہمارے بھائی اس تحقیق پر غش ہیں۔

یاد رکھو! شارع علیہ السلام نے یہ حکمت نماز کی کہیں بیان نہیں کی اور جو چیز شریعت میں نہیں ہے وہ سب ہیچ ہے گو اس جرمنی کی زبان سے اتنا نکلنا بھی غنیمت ہے لیکن اے بھائیو! تم کو کیا ہوگیا کہ واسجد واقترب کے ہوتے ہوئے ایک جرمنی کافر کی تحقیقات کو پسند ہی نہیں بلکہ اس پر ناز کرتے ہو کیوں خواہ مخواہ گدا

(۱) ''تعلقات غیر اللہ حجاب اور لاحاصل ہیں جب ان تعلقات کو قطع کرلو گے تو تم واصل ہوجاؤ گے'' (۲) سب سے حقیر چیز زمین کے ساتھ اس کو ملادو (۳) ''عاشق ومعشوق کے درمیان کوئی حائل نہیں تیری خودی خود حجاب ہورہی ہے حافظ خودی کو درمیان سے اٹھالے''

گری کرتے ہو؟ تمہارے یہاں سب کچھ ہے آپ لوگوں کی وہ مثال ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں:

یک سبد پرنان ترا بر فرق سر تو ہمی جوئی لب ناں در بدر
تابزا نوئے میان قعر آب وزعطش وزجوع کشتی خراب

اے صاحبو! آپ کے یہاں ساری دولتیں موجود ہیں کیوں فقیروں سے مانگتے ہو کیوں جرمنیوں کی کاسہ لیسی کرتے ہو۔

اختیار تدابیر

الحاصل! اتفاق بھی ایسی ہی شے ہے کہ اہل یورپ کو للد نیا مطلوب ہے اور ہم کو للد ین مطلوب ہے(۱) مگر اس کا ایک ضروری مسئلہ متفق علیہا ہونا تو ثابت ہوا۔ اب اس آیت میں غور کیجئے کہ اس میں سے اس مسئلہ کے متعلق کیا تحقیق ہے۔ اس کے لئے ایک چھوٹی سی تمہید کی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ ساری دنیا اتفاق اتفاق پکار رہی ہے مگر اس کے جو اسباب ہیں ان سے بالکل ناواقفیت ہے بالکل اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص چھت پر جانا چاہتا ہے مگر زینہ سے نہیں جاتا اور اچک کر جانا چاہتا ہے اور ایک جست لگاتا ہے اور گر پڑتا ہے اسی طرح پھر جست لگاتا ہے اور پھر گرتا ہے تو یہ شخص چھت پر کیوں نہیں پہنچا اس لئے کہ جو طریق ہے جانے کا اس سے نہیں گیا اس نے اس پر عمل نہیں کیا۔

اطلبوا الارزاق من اسبابها وادخلوا الابیات من ابوابها(۲)

اس واسطے شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی کہ مطلقاً اسباب

(۱) اہل دنیا کو دنیا کے لئے اور ہمیں آخرت کے لئے مطلوب ہے (۲) ''اپنے رزق اسباب سے تلاش کرو اور گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو''۔

چھوڑ دو۔ بلکہ اس کا حکم کیا ہے کہ جس شے کے جو اسباب پیدا کئے گئے ہیں اس کو ان ہی سے طلب کرو۔ اس پر بعضے لوگ خوش ہوئے ہونگے کہ اس سے تو وہی بات ثابت ہوئی جو اہل دنیا کا مطلب ہے یعنی تدبیر پرستی۔ چنانچہ اسی بناء پر لوگ اہل اللہ پر ہنستے ہیں اور ان کو احدیوں کی پلٹن اور گرانی کا سبب اور قوم پر بار قرار دیتے ہیں۔

خودساختہ مفسرین

ایک شخص بزعم خود مفسر قرآن ہیں اور لوگ ان کے ترجمہ پر فریفتہ ہیں اس لئے کہ محاورہ کے موافق ہے۔ صاحبو! محاورہ کے موافق تو ہے لیکن قرآن کے موافق نہیں ہے ایسے ہی محاورہ کا شوق ہے تو چہار درویش اور حاتم طائی کی عبارت بہت ہی بامحاورہ ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ تو قرآن نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ وہ ترجمہ بھی بہت مقامات میں قرآن نہیں ہے اس لئے کہ ایسے ایسے مسائل نکالے ہیں کہ وہ قرآن کا مدلول نہیں ہے چنانچہ آیت ﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ ''تم آپس میں ایک دوسرے کا مال بغیر حق جائز کے مت کھاؤ'' کی تفسیر میں حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ جو بعض لوگ دنیا کے تمام دھندے چھوڑ چھاڑ کر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہتے ہیں ان کو کیا حق حاصل ہے کہ قوم کی آمدنی کھائیں جب کچھ حق نہیں تو باطل ہے اور باطل ہے تو اس آیت سے حرام ہے لوگ اس استدلال پر فریفتہ ہیں مرے جاتے ہیں میں اس استدلال کی حقیقت کھولتا ہوں کہ یہ جو باطل جس کا ترجمہ ناحق ہے اس ناحق میں جو حق ہے اس سے کیا مراد ہے حق واجب یا جائز۔ اگر حق واجب مراد ہے تو ہم مفسر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ تم کو کیا حق حاصل ہے کہ ایک کتاب تصنیف کردی اور سرکار سے ہزار روپیہ انعام لے لئے۔ کیا سرکار پر یہ حق واجب ہے اور ان مفسر صاحب کو کوئی ہدیۃ روپیہ دے تو اس کے

قبول کرنے کا ان کو کیا حق حاصل ہے۔

خوب یاد رکھو! کہ اس ناحق میں حق سے مراد حق جائز ہے پس ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا مال بدوں حق جائز کے مت کھاؤ۔ پس جس شے کا لینا جائز نہ ہو وہ مت کھاؤ۔ اور اگر محبت سے کوئی کچھ دے تو یہ ناجائز نہیں ہے۔ مفسر صاحب نے حق سے مراد حق واجب لے کر اپنے اوپر بھی سینکڑوں اعتراض لے لیے۔

غرض! یہ حضرات اہل توکل کی تحقیر اسی ترک اسباب پر کرتے ہیں تو شاید میرے اس کہنے سے کہ اسباب سے مسببات کو حاصل کرو۔ ان معترضین کو اپنی تائید کا شبہ ہوا ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ ترک اسباب میں تفصیل ہے جو عنقریب آتی ہے اس کے نہ جاننے ہی سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ متوکلین نے پھر اسباب کو کیوں چھوڑا جب کہ تم کہتے ہو کہ شریعت نے ترک اسباب کی اجازت نہیں دی۔ سو خوب سمجھ لو کہ یہ اعتراض ناتمام علم سے پیدا ہوا ہے۔

نادان حکیم

جیسے ایک حکیم جی تھے ان کے ایک صاحب زادہ بھی تھے مگر تھے عقل سے کورے ان کو حکیم صاحب نے طب پڑھائی اور مطب میں بھی وہ ساتھ رہتے تھے حکیم جی ایک مریض کو دیکھنے گئے نبض دیکھ کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے نارنگی کھائی ہے جس سے تمہاری حالت کل کے اعتبار سے بگڑی ہوئی ہے۔ مریض نے اقرار کیا صاحب زادہ صاحب کو حیرت ہوئی کہ ابا جان نے یہ کیسے پہچانا کہ نارنگی کھائی یہ جب وہاں سے آئے تو پوچھا حکیم صاحب نے کہا کہ بھائی قرائن اور علامات اور نبض سے اتنا تو معلوم ہوگیا تھا کہ کسی بارد(۱) شے کا استعمال کیا ہے

(۱) ٹھنڈی چیز کا استعمال کیا ہے۔

چارپائی کے نیچے نارنگی کے چھلکے پڑے تھے اس سے اس کی تعیین بھی ہوگئی۔ اب صاحب زادہ صاحب کو ایک قاعدہ ہاتھ آ گیا کہ جو چیز چارپائی کے نیچے پڑی ہوئی ہوتی ہے مریض اسی کو کھا کر بیمار ہوجاتا ہے۔ بڑے حکیم نے تو رحلت فرمائی اب چھوٹے حکیم جی کا دور دورہ ہوا۔ ایک مریض کی شامت آئی ان کو بلایا۔ اس کو دیکھنے گئے نبض دیکھی چارپائی کے نیچے جھانکے وہاں نمدہ پڑا ہوا تھا کہنے لگے کہ ہم کو معلوم ہوگیا کہ تمہاری جو یہ حالت ہے اس کا ایک خاص سبب ہے وہ یہ کہ تم نے نمدہ کھایا ہے سب لوگ ہنس پڑے نمدہ بھی کوئی کھایا کرتا ہے اور حکیم جی کو نکلوا دیا۔ سچ ہے۔ نیم ملا خطرہ ایمان نیم حکیم خطرہ جاں۔

اسباب کی اقسام

پس ایسے ہی ہمارے معترضین ہیں کہ جب سنا کہ شریعت نے ترک اسباب سے منع کیا ہے علم تو تھا نہیں تمام اسباب کو اس میں داخل کر کے متوکلین اور تارکین اسباب پر ایک اعتراض جڑ دیا۔ خوب سمجھ لو کہ اسباب کی تین قسمیں ہیں اسباب قطعیہ، ظنیہ وہمیہ۔ سبب قطعی کسی شے کا تو وہ ہے کہ عادۃً وہ اس شے کا موقوف علیہ ہے اگر وہ سبب نہ ہو تو اس شے کا تحقق بھی نہ ہو جیسے کھانا کھانا پیٹ بھرنے کے لئے پانی پینا سیراب کے واسطے۔ سو رہنا آرام کے واسطے۔ تو ان اسباب کو چھوڑنا تو حرام ہے اگر کوئی چھوڑ دے اور اسی میں مر رہے تو حرام موت مرے گا۔ حتی کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اہل توکل بھی خلوت میں ایسی جگہ نہ بیٹھے جہاں کسی کا نہ گزر ہو اور نہ کسی کو اس کے حال کی اطلاع ہو۔

دوسرے اسباب وہمیہ ہیں وہ یہ ہیں کہ مسبب کے ان پر مرتب ہونے کا بہت بعید احتمال ہو جیسے کوئی خیالات پکادے کہ میں تحصیلدار ہوجاؤں گا پھر ڈپٹی

کلکٹر ہوں گا بہت سی میری اولاد ہو جائے گی جب زیادہ مال ہوگا تمام ضلع مظفر نگر کو خریدوں گا۔

غرض! جہاں جہاں تک ذہن پہنچایا اسی طرح تجارت میں بعید بعید صورتیں سوچے اور ان کے اسباب میں مشغول ہو۔ ایسے اسباب وہمیہ واجب الترک ہیں اس کو دنیا کے اندر کھپ جانا کہتے ہیں۔ تیسرے اسباب ظنیہ ہیں کہ مسبب ان پر غالباً مرتب ہو جاتا ہے اور کبھی بلا ان اسباب کے بھی وہ مسبب حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے تجارت سے ضرورت کے موافق روپیہ ملنا زراعت سے غلہ حاصل ہونا کہ مسبب ان پر اکثر تو مرتب ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا۔ اور کبھی بلا ان اسباب کے بھی مسبب حاصل ہو جاتا ہے چنانچہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ جو لوگ ان اسباب میں مشغول نہیں ہیں ان کو بھی یہ چیزیں ملتی ہیں۔ پس ان سباب ظنیہ کے ترک کو اصطلاح میں توکل کہتے ہیں اور اس میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کے لئے جائز نہیں اور قوی النفس کے لئے جائز بلکہ مستحسن و مستحب ہے۔

توکل میں نیت کی درستگی

لیکن اس نیت سے توکل جائز نہیں کہ یہ بھی ایک طریق ہے روپیہ ملنے کا۔ جیسے ایک شخص کی حکایت ہے کہ مولوی صاحب سے وعظ میں سن لیا کہ جو خدا پر توکل کرے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور رزق پہنچاتے ہیں اور یہ بھی اس نے سنا تھا کہ ایسی جگہ بیٹھنا جائز نہیں جہاں کسی کا گزر نہ ہو۔ جنگل میں جا کر ایک کنوئیں کے قریب آپ جا بیٹھے اور منتظر رہے کہ اب میرے واسطے خوان لگ کر آئیگا۔ چنانچہ دو تین روز گزر گئے اتفاق سے ادھر سے کسی کا گذر بھی نہ ہوا۔ کئی روز کے بعد ایک مسافر آیا سمجھا کہ مجھے بھی کچھ دے گا اس مسافر نے اس کی طرف توپشت کی اور

(حسب عادت) راستہ کی طرف منہ کیا کہ آتے جاتے کو دیکھیں اور روٹی کھا کر چلا گیا اس کی اس کو خبر بھی نہ ہوئی اسی طرح ایک اور آیا وہ بھی اسی طرح بیٹھ کر اور کھا کر چلا گیا۔ اس نے اپنے جی میں کہا کہ یہ تو بری رسم نکلی ہے تیسرا آیا تو آپ فرماتے ہیں اھون اھون (صوت ہے جو حکایت ہے کھنکارنے کی) اس نے جو مڑ کر دکھا کہ ایک آدمی فاقہ سے ضعیف نحیف ہوکر پڑا ہے اس کو رحم آیا اس نے بلا کر اس کو روٹی کھلائی خوش خوش مولوی صاحب کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ مولوی صاحب توکل برحق مگر آپ نے تعلیم میں کسر رکھی اتنی بات رکھ لی یہ نہ کہا کہ کھنکارنا بھی پڑتا ہے۔ تو بعضے آدمی ہاتھ پاؤں توڑ کر اس لئے بیٹھ جاتے ہیں کہ میاں بےفکری سے کھانے کو ملے گا۔ چین سے رہیں گے کچھ کرنا نہ پڑے گا تو کوئی قابل قدر نہیں۔ خدا کے نزدیک بھی اس کی کوئی قدر نہیں کمال نہیں۔

انعام بقدر قربانی

حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کی حکایت لکھی ہے کہ جب بلخ کی سلطنت چھوڑ کر نکلے ہیں تو اول ہی دن ایک جنگل میں پہنچے وہاں شام ہوگئی۔ ایک مقام پر لیٹ رہے۔ بھوکے پیاسے تھے۔ اور قریب ہی ایک اور درویش بھی رہتا تھا۔ شب کے وقت ان کے واسطے غیب سے ایک خوان آیا کہ کھانوں کی خوشبو سے تمام جنگل مہک اٹھا۔ اور اس درویش کے واسطے دو روٹی جو کی آیا کرتی تھی۔ حسب معمول وہی آئی وہ درویش یہ دیکھ کر جل گیا۔ اور حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ مجھے تو یہاں پڑے ہوئے اتنے سال ہوگئے میرے واسطے تو یہی جو کی روٹی ہے آج تک ترقی نہ ہوئی اور یہ آج ہی آیا۔ اس کے واسطے ایسے کھانے بھیجے۔ ہاتف کے ذریعہ سے ندا(۱) آئی کہ یاد کر کہ تو کون تھا۔ اور اس کو دیکھ! یہ کون ہے تو

(۱) فرشتہ کی طرف سے آواز آئی۔

ایک گھس گھدا تھا اس قابل نہ تھا پہلے صبح سے شام تک مصیبت بھرتا تھا۔ اب بے مشقت اس سے زیادہ ملتا ہے غنیمت نہیں سمجھتا۔ اگر پسند نہیں۔ فلاں درخت کے نیچے تیرا کھرپہ جالی رکھا ہے نکل اور گھاس کھودنا شروع کر۔

غرض توکل میں تو نے کون سا کمال کیا۔ کمال تو اس شخص کا ہے کہ سلطنت اور حشم خدم کو ہمارے واسطے اس نے چھوڑ دیا۔ بہرحال اگر تجھ کو سیدھی طرح کھانا ہے کھا۔ ورنہ کھرپا جالی تیرا رکھا ہے جا! اور سنبھال! یہ سن کر لرز گیا اور بہت توبہ استغفار کی پس روٹیوں کے واسطے گوشہ اختیار کرنا توکل نہیں شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نان از برائے کنج عبادت گرفتہ اند صاحبدلاں نہ کنج عبادت برائے نان(۱)

یعنی روٹی اس واسطے لیتے ہیں کہ اللہ اللہ کریں نہ کہ اللہ اللہ اس لئے کریں کہ روٹی ملے یہ خداع اور مکاری ہے کہ جس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں:

گہہ گہے آہے دروغے میزنی از برائے مکہ دوغے میزنی
خلق را گیرم کہ بفریبی تمام در غلط اندازی تا ہر خاص وعام
کارہا باخلق آری جملہ راست باخدا تزویر وحیلہ کے رواست
کاربا او راست باید واشتن رایت اخلاص وصدق افراشتن(۲)

(۱) ''روٹی اہل اللہ نے گوشہ عبادت کے لئے لی ہے نہ گوشہ عبادت روٹی کے لئے پکڑا ہے''(۲) تو بھی کبھی جھوٹی آہ نکالتا ہے گویا مکھن حاصل کرنے کے لئے چھاچھ بلوتا ہے میں نے فرض کیا کہ تو نے ساری مخلوق کو دھوکہ دے ہی دیا مگر خدا تعالیٰ کو کہاں دھوکہ دے سکتا ہے مخلوق کے ساتھ تیرے سب کام درست ہیں خدا تعالیٰ کے ساتھ مکر وحیلہ کب جائز ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ سب کام درست ہونا چاہئیں اور اخلاص اور سچائی کا علم بلند کرنا چاہیے''۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس ترک اسباب کی شریعت میں ممانعت ہے وہ اسباب قطعیہ ہیں ان کا چھوڑنا حرام ہے اور اسباب وہمیہ کا ترک خود مامور بہ ہے اور اسباب ظنیہ میں یہ تفصیل ہے جو ابھی عرض کی گئی۔ اور یہ سب تفصیل مسببات دنیویہ کے متعلق ہے۔

مدار اتفاق

اور جو مسببات دینیہ ہیں چونکہ وہ مطلقاً محمود ومطلوب ہیں ان کے اسباب ہر درجے میں محمود ہوں گے۔ بشرطیکہ کسی ضروری امر میں خلل نہ ہو پس اتفاق جو ایک شے ہے اس کے لئے بھی کوئی سبب ضرور ہے اور چونکہ وہ محمود ہے اس کے اسباب بھی قابل اہتمام ہوں گے۔ سو اس سبب کی ہمارے عقلاء نے تحقیق نہیں کی۔ بلکہ جو اس کے اسباب نہیں ہیں ان کو سبب قرار دیا اسی لئے اتفاق متحقق نہیں ہوتا۔ پس یہ امر مجوث فیہ اور قابل تفحص ہوا(۱) کہ سبب اتفاق کا کیا ہے تاکہ اس کو اختیار کرنے سے اتفاق پیدا ہو۔ سو اس تفحص میں ہم کو بفضلہٖ تعالیٰ دریوزہ گری کی ضرورت نہیں ہمارے پاس تو قرآن ہے اس میں اس کے متعلق ارشاد ہے:

﴿هُوَالَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ○ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْاَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ○﴾(۲) ”یعنی خدا تعالیٰ کی وہ شان ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس نے اپنی مدد اور مومنین کے ساتھ آپ کو قوت دی۔ اور ان کے دلوں میں باہم الفت ڈال دی۔ اگر آپ روئے زمین کا تمام مال خرچ کرتے تو آپ ان کے قلوب میں الفت نہ ڈال سکتے لیکن اللہ ہی نے ان کے درمیان الفت ڈال دی۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے“۔

(۱) پس یہ بات قابل بحث اور قابل غور قرار پائی کہ اتفاق کا سبب کیا ہے (۲) سورۃ الانفال: ۶۲، ۶۳۔

دیکھئے! جہاں حضور ﷺ جیسے مدبر عاقل حکیم دور اندیش ہوں کہ جن کی عقل کے کامل ہونے پر تمام جہاں کا اتفاق اور تدبیر یہ کہ تمام روئے زمین کے خزانے اتفاق کے لئے خرچ کریں اور نتیجہ کیا ہے مَا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ ''کہ آپ ﷺ ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے'' اس سے کیا پتہ لگتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسباب ظاہرہ جیسے کوئی فنڈ اسلامی بنانا لیکچر دینا، رسالوں میں مضامین اتفاق کے شائع کرنا اس سے اتفاق پیدا نہیں ہوتا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ ''لیکن اللہ نے ہی ان کے درمیان الفت ڈال دی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ مدار اتفاق کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ دلوں میں الفت پیدا کر دیتے ہیں۔ آپ مجھ کو چاہیں۔ میں آپ کو چاہوں ہر ایک دوسرے کے نزدیک محبوب ہے۔

مدار محبت

اب یہ بات رہی کہ وہ الفت اور محبت خدا تعالیٰ کس طرح سے پیدا کر دیتے ہیں اس کا سبب کیا ہے۔ یہ بھی حق تعالیٰ ہی سے پوچھو۔ چنانچہ اس محبت پیدا کرنے کے واسطے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے جو میں نے اول تلاوت کی ہے اور تبرکاً وتذکیراً پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ یعنی ایمان اور عمل صالح سے حق تعالیٰ ان لوگوں کی محبت بمعنی محبوبیت پیدا کر دیتے ہیں۔

اب اہل علم کی سمجھ میں آیا ہوگا کہ میں نے وُدًّا کو مصدر بمعنی للمفعول کیوں لیا۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالحہ کی یہ خاصیت بیان فرمائی ہے کہ اس کے اختیار کرنے والے قلوب میں محبوب ہو جاتے ہیں۔ پس جب کہ ایک جماعت کی جماعت ایمان اور عمل صالح اختیار کریں گے تو ان میں ایسا

اتفاق پیدا ہوگا کہ کبھی نہ جائے گا ''لا یـزال ولم یـزل '' ہوجائیگا۔ پس سبب اصل اتفاق کا ایمان اور عمل صالح ٹھہرا۔ اب فرمائیے! کہ دنیا میں کتنے عاقل ہیں جنہوں نے یہ راز سمجھا ہو۔

ہاں اتفاق اتفاق سب گاتے ہیں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اتفاق کا نام بھی نہ لو۔ مگر ایمان اور عمل صالح اختیار کر لیجئے۔ اتفاق آپ کی لونڈی ہے وہ دست بستہ آپ کے سامنے آکر کھڑی ہوجائے گی۔ آپ کو اس کی ضرورت نہیں۔ کہ آپ لیکچر دیں یا مضمون لکھیں اور پھر اتفاق بھی ایسا ہوگا کہ مرنے تک اور مرنے کے بعد جنت میں بھی نہ جائے گا۔ اور دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہی ہے وہ محبت جو قائم رہنے والی ہے۔ باقی محبتیں سب زائل ہونے والی ہیں۔ میں اسکا نمونہ دکھلاتا ہوں۔

پیر سے محبت

دیکھئے! پیر سے جو محبت ہوتی ہے وہ کیسی ہوتی ہے کہ کبھی نہیں جاتی اور اگر کسی امرد(۱) سے محبت ہوگئی ہے تو وہ جب ہی تک ہے جب تک اس کے چہرے پر ڈاڑھی نہ آجائے یا جھریاں نہ پڑیں۔

ایں زعشق است آنکہ در مردم بود ایں فساد از خوردن گندم بود
عشق بامردہ نباشد پائیدار عشق را باحی و با قیوم دار
عشق ہائے کزپئے رنگے بود عشق نبود عاقبت ننگے نبود
عاشقی بامردگاں پائندہ نیست زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست(۲)

اور پیر کے ساتھ جو عشق ہے اس کی کیفیت سنیئے! کہ پیر صاحب پر تو روز

(۱) نابالغ بچہ (۲) گندم کے فساد سے لوگوں میں جو عشق ہے وہ عشق نہیں۔ مردہ کے ساتھ عشق کو پائیداری نہیں عشق حق تعالیٰ کا جو حی وقیوم ہیں اختیار کرو۔ جو عشق رنگ وروپ پر ہوتا ہے آخر کار رنگ وافسوس ہوتا ہے اس لئے عشق حی وقیوم کا اختیار کرو جو ہمیشہ باقی ہے''۔

بروز بڑھاپا آتا جاتا ہے اوران کا ان پر عشق بڑھتا جاتا ہے۔

خود قوی ترمے شود خمر کہن خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن(۱)

آخر پیر میں کیا شے ہے کہ اس سے ایسی محبت ہوجاتی کہ اگر وہ جان بھی مانگے اس سے بھی انکار نہیں۔ اس کا کیا سبب ہے۔ اس کا سبب وہی ایمان اور عمل صالح ہے چونکہ اس ایمان اور عمل صالح سے یہ اعتقاد ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا مقرب ہے اس لئے طبعاً اس کی محبت ہوتی ہے حتی کہ بعض اوقات پیر اس سے ناخوش بھی ہوتا ہے مارتا بھی ہے کبھی کبھی نکال بھی دیتا ہے اور طرح طرح کی خدمتیں لیتا ہے مگر ان کی کیفیت یہ ہے کہ بچھے جاتے ہیں مرے جاتے ہیں۔ یہ نمونہ آنکھوں سے دیکھ لیجئے۔ اب موجود ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید بیان کرتے تھے کہ حضرت ایک مرتبہ حرم میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دوسرے کو مار رہا ہے ہم لوگ سمجھتے تھے یہ کوئی نوکر ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ پیر مرید ہیں اور فرمایا دیکھو! پیر ایسے ہوتے ہیں کبھی ہم نے بھی تم لوگوں کو مارا ہے۔

واقعی حضرت کو اس قدر رحمت اور شفقت تھی کہ کہیں نہ دیکھی نہ سنی ؎

ہم نے الفت کی نگاہیں دیکھیں جانیں کیا چشم غضبناک کو ہم

میں نے حضرت کو دیکھا ہے کہ اپنے مریدوں کے ساتھ وہ برتاؤ فرماتے تھے جیسا کہ لوگ اپنے پیروں کے ساتھ کرتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت سے فیض زیادہ ہوا۔ خیر یہ تو حضرت کی خاص حالت تھی۔ مگر مقصود اس وقت مجھ کو ان حضرت پیر کے قصہ سے استدلال کرنا ہے کہ وہ مرید بڑی خوشی سے پٹ رہا تھا۔ جو بدوں محبت کامل کے اپنے اختیار سے کوئی انسان اس کو گوارا نہیں کرسکتا۔ اور اس محبت کا منشا صرف یہی امر ہے کہ اس کو

(۱) پرانی شراب میں خود تیزی بڑھتی ہے خاص کر وہ شراب جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہو"

اللہ والا اور بلفظ دیگراں (۱) کامل الایمان۔ کامل العمل سمجھتے ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ خدا جانے یہ فقیر کیا گھول کر پلا دیتے ہیں۔ ہم طالب علموں کو کھلاتے ہیں پہناتے ہیں، سبق پڑھاتے ہیں۔ کتاب اپنے پاس سے دیتے ہیں۔ ان کے تمام ناز نخرے اٹھاتے ہیں اور جب پڑھ لکھ کر چلے جاتے ہیں تو کوئی پوچھتا بھی نہیں اور ان فقیروں کے پاس جو آتا ہے منہ سے بولتے تک نہیں وہ خانقاہ میں پڑے ہیں اور ان کی خبر بھی نہیں ہے کبھی شاہ صاحب ہنس پڑے تو عید آ گئی جیسے کسی عورت کو اس کا خاوند منہ نہ لگاتا تھا۔ ایک روز اس نے گاجر کھا کر پیندی عورت کے ماردی۔ تو اس نے اپنی ماں کو کسی کے ہاتھ کہلا کر بھیجا کہ کھائی تھی گاجر۔ ماری تھی پیندی اماں سے کہنا کہ کچھ کچھ سہاگ بہوڑا ہے (آیا ہے)۔ ایسے ہی مرید صاحب بھی پیر صاحب کے ہنسنے سے پھولے نہیں سماتے۔ برسوں کے بعد اگر کچھ بتلا دیا تو بہت ہی خوش ہیں۔ حالانکہ پیر صاحب پر کون سی محنت پڑی ذرا زبان ہلا دی۔ ساری محنت مرید ہی کرتا ہے۔

پھر حالت یہ ہے کہ نہ اس کے کھانے کی خبر نہ پینے کی خبر اور خدمتیں کرو۔ وہ علیحدہ اور اگر پیر صاحب کے یہاں بھینس بھی ہے تو سانی کرو چارہ لاؤ بھینس کو چراؤ۔ دودھ نکالو اور جب چاہیں بھینس کی وجہ سے مرید کو نکال دیں۔ جب چاہیں مار لیں مگر وہ ہے کہ ٹلتا ہی نہیں زندگی تک تو یہ حال رہتا ہے اور جب پیر صاحب مر گئے بیوی بچوں کو چھوڑ۔ ان کی قبر کا مجاور ہو گیا۔ غرض خدا جانے کیا پلا دیتے ہیں کہ سر لیش ہو کر لپٹ جاتا ہے۔ حضرت ان کے پاس ایک مقناطیس ہے وہ اس سے

(۱) یا دوسرے معنی میں۔

جذب کرتے ہیں وہ کیا ہے وہی خدا تعالیٰ کی اطاعت شیخ شیرازی فرماتے ہیں ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ کہ گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ(۱)

مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

ہر کہ ترسید از حق وتقویٰ گزید ترسد از وے جن وانس دہر چہ دید(۲)

یہ خوف اور محبت کا جمع ہونا بھی نہایت عجیب وغریب ہے۔ دیکھئے! اس قسم کے نمونے موجود ہیں کہ مدار محبوبیت کا ایمان اور عمل ہی ہے۔ اب مجھے اس دعویٰ پر دلائل کی ضرورت نہیں اس لئے کہ جب کہ میں مشاہدہ کرار ہا ہوں۔ تو دلیل کی اب کیا ضرورت ہے۔

محبوبیت کا باطنی سبب

مگر تبرعاً اس کی وجہ بھی بتلاتا ہوں کہ ایمان وعمل صالح کی وجہ سے محبت کیوں ہوتی ہے۔ اصل وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خاصیت ہی یہ رکھ دی ہے۔ جیسے بعض دوائیں بالخاصہ موثر ہوتی ہیں۔ ایسے ہی یہ بھی ہے لیکن یہ زمانہ ہے تحقیقات کا۔ اس لئے اس پر اکتفانہ کیا جائیگا۔ اس لئے اس کی دووجہ بیان کرتا ہوں۔ ایک تو راز ظاہری اور ایک باطنی۔ باطنی کو اول بیان کرتا ہوں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ تمام ملائکہ میں پکار دو کہ فلاں بندہ سے ہم کو محبت ہے تم بھی اس کو دوست رکھو پھر حکم ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی پکار دو۔ اگر کوئی کہے کہ ہم کو کسی کی نسبت بھی اعلان نہیں معلوم ہوتا۔

(۱) ''تو بھی حق تعالیٰ کے حکم سے گردن نہ پھیر کہ تیرے حکم سے کوئی گردن نہ پھیرے گا'' (۲) جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور اس نے تقویٰ اختیار کیا تو اس سے جن وانس اور ہر چیز جو اس کو دیکھتی ہے ڈرتی ہے''۔

سنیئے بات یہ ہے کہ فرشتوں کا اعلان قلوب میں ہوتا ہے اور وہ یہی کہ اس کی محبت قلوب میں پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ زمین پر یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ فیوضع له القبول فی الارض (۱) پس وہ سب کی نظروں میں مقبول ہوتا ہے اس کے بعد حضور نے استشہاد میں یہ آیت پڑھی: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ (۲)

حضور ﷺ کا یہ آیت پڑھنا صریح دال ہے اس پر کہ ''وُدًّا'' یہاں پر مصدر مبنی للمفعول ہے۔ اور میرا اس مضمون کو اس آیت سے استنباط کرنا صحیح ہے۔ دوسرا راز باطنی یہ ہے کہ محل محبت کا قلب ہے اور قلوب حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں جب وہ قلوب میں کسی کی محبت پیدا کرنا چاہیں گے بالاضطرار (۳) اس کے سامنے جھک جانا ہی پڑے گا۔ اس کے سامنے پھر کسی کا حوصلہ نہیں ہے کہ ٹیڑھا چلے۔ ایک مقام پر ایک بزرگ سے کوئی شخص الجھا۔ دونوں طرف خشک خشک جواب ہوئے ان بزرگ کے پاس سے وہ شخص پچاس قدم بھی نہ گیا ہوگا کہ دل میں ایک چوٹ سی لگی اور قدم آگے نہ بڑھا۔ اور واپس آکر ہاتھ جوڑے کہ خدا کے واسطے میرا قصور معاف کردو۔ اور یہ کہا کہ خدا جانے مجھ کو کیا ہوگیا کہ میں قدم آگے بڑھاتا تھا۔ اور وہ پیچھے کو ہٹتا تھا۔ وہ بات کیا تھی یہ نہیں کہ ان بزرگ نے کچھ تصرف کیا ہو۔ بلکہ اس پر ایک سرکاری پیادہ (۴) مسلط ہوگیا۔ اور کشاں کشاں (۵) اس کو پکڑ لیا۔ غرض! ان بزرگ نے جب قصور معاف کیا اس وقت وہ گیا اس سے معلوم ہوا کہ قلب میں کوئی بات خدا تعالیٰ پیدا کردیتے ہیں۔ غرض راز باطنی تو اس کا یہ ہے۔

محبت کے اسباب ظاہرہ

اور راز ظاہری یہ ہے کہ محبت کے کل تین سبب ہوا کرتے ہیں۔ نوال، کمال

(۱) مستدرک حاکم: ۱/۳۴۰، کنز العمال: ۱/۶۸۱ (۲) ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کردیں گے'' سورۃ مریم: ۹۶ (۳) مجبوراً (۴) سرکاری سپاہی (۵) آہستہ آہستہ۔

جمال۔ یعنی عطا واحسان سبب محبت کا ہوتا ہے۔ چنانچہ محسن سے اسی بناء پر محبت ہوتی ہے اور عطا ہی میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کی خطا معاف کردی جائے یا کسی کا کام کردیا جائے کسی کی بیہودگی پر درگزر کیا جائے۔ کبھی کمال کی وجہ سے محبت ہوتی ہے خواہ علمی ہو یا عملی یا اخلاقی۔ مثلاً اہل علم سے محبت اسی واسطے ہوتی ہے کہ ان میں کمال علم ہے اگرچہ اس کے علم سے اپنے کو بھی نفع نہ ہو اور جیسے حاتم کی سخاوت سن کر اس کی طرف ایک میلان ہوتا ہے۔ اور جیسے رستم سے اسی واسطے محبت ہے کہ اس میں شجاعت کا کمال ہے۔ مجھ کو یاد ہے کہ بچپن میں اردو شاہنامہ دیکھا کرتا تھا جب کسی لڑائی کا قصہ آتا تو جی سے تمنا ہوتی تھی کہ خدا کرے یہ لکھا ہو کہ رستم جیت گیا۔ حالانکہ اگر وہ جیت گیا یا ہار جائے تو ہم کو کیا نفع ہے مگر اس کے کمال کی وجہ سے کان اس بات کو نہیں سن سکتے تھے کہ ہار گیا۔

تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کے اندر شجاعت کا کمال تھا۔ اس زمانہ میں جو بہت سے واقعات لڑائی کے ہوئے تو مسلمانوں کے غلبہ کو سن کر مسلمانوں کا دل تو خوش ہوتا ہی تھا۔ مگر بہت سے ہنود کو بھی دیکھا کہ وہ ان کے غلبہ کو سن کر خوش ہوتے تھے۔ اس کا سبب بھی وہ ہی محبت ہے۔ ترکوں سے بسبب ان کے کمال شجاعت کے اور اس کے علاوہ ایک سبب ترکوں سے محبت کا ان کی مظلومیت بھی تھی کہ یہ بھی کمال میں داخل ہے۔ اس لئے کمال یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے اور جب اس پر ظلم ہو تو مستقل رہے۔ تیسرا سبب محبت کا جمال ہوتا ہے۔ جیسے کوئی حسین وجمیل ہے اس سے بالطبع محبت ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گورے چٹے کو جمیل نہیں کہتے یہ تو پوست (۱) پرستوں کا مذہب ہے کہ ان کے یہاں محبت جمال صورت ہی سے ہے۔ عقلاء کے نزدیک اصلی جمال یہ ہے کہ

(۱) ظاہر کو پوجنے والوں کا طریقہ ہے۔

اخلاق میں تناسب واعتدال ہواور اسی سے کشش ہوتی ہے قلوب کو اگر اس کے ساتھ صورت بھی کچھ اچھی ہوتو بہت ہی کچھ کشش ہوتی ہے یہ ہیں طبعی اسباب محبت کے۔

مطیعان شریعت میں اسباب محبت

اب دیکھئے مطیعان شریعت میں یہ امور کسی درجہ کے ہوتے ہیں کیونکہ خود تعلیم شریعت ہی ان کو جامع ہے۔ چنانچہ نوال (۱) کی تو یہ کیفیت ہے کہ ایثار، جود، کرم، عطا۔ انسان ہی کے ساتھ نہیں۔ بلکہ جانوروں تک کے ساتھ کرنے کا حکم فرمایا ہے جو ہمدردی شریعت نے تعلیم کی ہے کیا کوئی اس کا مقابلہ کرسکتا ہے اور اس پر ممکن ہے کہ کوئی شخص جو سانپ وغیرہ کو بھی نہیں مارتا یہ کہے کہ شریعت نے تو موذی جانوروں کے مارنے کا حکم دیا ہے۔ یہ کیا ہمدردی ہے اور ہم تو موذی جانوروں کو بھی نہیں ستاتے۔

صاحبو! ہر شے کا ایک مصرف ہے رحم اور ہمدردی کا بھی موقع ہے اگر اس موقع پر کی جائیگی تو مدح کے قابل ہوگی۔ ورنہ ہمدردی نہ ہوگی۔ دیکھو! پیار محبت بہت اچھی شے ہے۔ مگر کس کے ساتھ اپنے بچوں کے ساتھ بیوی کے ساتھ۔ اگر کوئی بیہودہ معمول کرلے کہ جب گھر آیا کرے اماں جان کو پیار کیا کرے تو اس کو سب مسخرہ اور بیوقوف اور بے ادب کہیں گے۔

اسی طرہ مثلاً باپ کو برخوردار، نورچشم لگے تو معیوب ہوگا۔ غرض ہر شے کے اندر اعتدال ہونا چاہیے ورنہ پھر وہ اپنی حد سے نکل کر اپنی ضد میں جا پہنچتی ہے۔ بقول اہل تحقیق الشئی اذا خرج عن حدود الھق یضد (۲) مثلاً ترحم ہی ہے۔ اس میں اگر اعتدال نہ ہوا مثلاً چوہوں کو نہیں مارا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں

(۱) احسان (۲) جب کوئی چیز اپنی حد سے متجاوز ہوجائے تو وہ اس کی ضد میں شمار ہوگی۔

نے آدمیوں کو مارا کیونکہ وہ آدمیوں کو تکلیف دیں گے۔ کیا اچھا رحم ہوا کہ چوہوں پر تو رحم کیا اور اپنی بنی نوع(۱) کا نقصان کیا۔ اسلام نے اخلاق کی تعدیل کی ہے۔ یہ تو نوال میں گفتگو تھی۔

اب کمال کو لیجئے۔ بڑا کمال علم ہے شریعت میں اس کے حاصل کرنے کی بہت ہی تاکید ہے۔ سخاوت اور شجاعت بھی کمال ہیں۔ شریعت نے ان دونوں کا بھی ایسا اہتمام کیا ہے کہ کوئی اس کی نظیر نہیں دکھلا سکتا۔

اب رہ گیا جمال! تو اس کا مدار ہے اخلاق پر اس لیے کہ اخلاق جمیلہ میں جو کشش ہے۔ حسن صورت میں اس قدر نہیں ہے اگر کسی میں اخلاق جمیل ہوں اگرچہ ترکیب اعضاء کے قاعدے سے عرفاً وہ حسین نہ ہو۔ مگر اس کے اندر ایک دلربائی چہرہ پر حلاوت اور نور ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے حسینوں میں وہ بات نہیں ہوتی۔

بازاری عورتیں اپنے کو بہت بناتی ہیں مگر چونکہ اخلاق ذمیمہ کے اندر ہوتے ہیں اس لئے چہرہ پر پھٹکار برستی ہے۔ بھولا پن نہیں ہوتا۔ بخلاف عفیف عورتوں کے کہ کیسی ہی میلی کچیلی کالی کولی ہوں۔ مگر ان کے اوپر ایک نور ایک کشش ہوتی ہے۔ سو اعمال صالحہ میں یہ خاصیت بھی ہے کہ جمال بڑھ جاتا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾(۲)

مولانا فرماتے ہیں ؎

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی نیک بیں باشی اگر اہل ولی(۳)

کسی نے خوب ترجمہ کیا ہے:

مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

(۱) اپنی جنس کا نقصان کیا (۲) ''ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں میں نمایاں ہیں'' سورۃ الفتح: ۲۹

(۳) ''انوار الٰہی ولی میں نمایاں ہوتے ہیں اگر تو اہل دل ہے تو اس کا ادراک کر سکتا ہے''۔

اور اگر کسی کا ذہن اتنا عمیق نہ ہو(۱) اور غایت بلاہت(۲) سے وہ حسن متعارف ہی میں جمال کو منحصر سمجھتا ہو تب بھی ظاہر ہے کہ محبوبیت کاملہ کے لئے اس کا مدار ہونا مشروط ہوگا اس حسین الصورت کے حسین السیرت ہونے پر۔ جس سے پھر اصلی مداریت ایمان وعمل صالح ہی کے لئے ثابت رہی ورنہ اگر اس کی سیرت اچھی نہ ہوئی تو بعض کو اس سے محبت ہی نہ ہوگی۔ اور اگر کسی کو ہوگی۔ کامل نہ ہوگی۔ یعنی ضعیف ہوگی۔ یا جلدی زائل ہوجائیگی۔ یعنی جب یہ حسن جاتا رہے گا تو محبوبیت بھی جاتی رہے گی۔ اور حسن سیرت پر جو محبوبیت ہوگی وہ مدت العمر باقی رہے گی۔

علاوہ اس کے اگر اس سے بھی قطع نظر کی جائے تب بھی محبوبیت کے لئے مجموعہ اسباب کا جمع ہونا ضروری نہیں اگر مومن وعامل صالحات میں جمال بھی نہ ہو تب بھی دوسرے اسباب تو قوت کے ساتھ موجود ہیں۔ وہ بھی محبوبیت کے لئے کافی ہیں اور اگر کسی کافر میں محبوبیت پائی جائے تو اگر وہ اخلاق اسلامی میں سے کسی خلق کے پائے جانے سے ہے تب تو اس کا سبب وہی عمل صالح ٹھہرا باقی یہ بات کہ پھر مومن کی کیا تخصیص ہوئی۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ وہ خلق بھی غیر مومن میں اس کمال کے ساتھ ہرگز نہ پایا جائیگا۔ جیسا مومن میں کیونکہ مومن میں اس کا مقتضی مضبوط ہوگا یعنی ابتغاء مرضات(۳) حق۔ جس میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔ بخلاف کافر کے کہ اس کا جو منشاء ہوگا وہ متبدل ہوگا۔ اور اس کے تبدل سے وہ خلق متبدل ہوسکتا ہے پس کمال محبوبیت مومن ہی میں رہی۔ اور اگر اخلاق کے علاوہ اور کوئی امر ہے جیسے حسن صورت وغیرہ تو وہ عام محبوبیت کا سبب نہ ہوگا۔ چنانچہ مسلم ومشہور ہے ؎

معشوق من است آنکہ بہ نزدیک تو زشت ست(۴)

---

(۱) اگر کسی کی ذہنی گہرائی اتنی نہ ہو (۲) اپنی بے وقوفی سے (۳) رضاء الٰہی کا بقاء (۴) ''وہ میرا معشوق ہے جو تیرے نزدیک برا ہے''۔

بخلاف اسباب تعلیم فرمودہ شریعت کے کہ اسمیں یہ اثر عام ہے۔ البتہ جس کے مدرکات ہی ٹھیک نہ رہے ہوں یا اس کی کوئی غرض فوت ہوتی ہو اس کا اعتبار ہی نہیں۔ یہ مضمون آئندہ مقصوداً بھی آتا ہے۔

خوبی معاشرہ

اور لیجئے ایک سبب محبت کا خوش معاملگی وخوبی معاشرت ہے جو مفہوم کلی کمال میں داخل ہوسکتی ہے۔ شریعت نے اس کی یہاں تک تعلیم کی ہے کہ دور دور تک کے احتمالات تک پر نظر فرمائی ہے۔ کہ کسی کے مال میں بلا اجازت تصرف نہ کرو۔ کسی کے خلوت(۱) خانہ میں بلا اجازت نہ جاؤ۔ اگر جاؤ تو اجازت لے کر جاؤ۔ اور اس کا طریقہ کیسا اچھا تعلیم فرمایا کہ دروازے پر کھڑے ہوکر کہو السلام علیکم ادخل۔ یعنی میں آؤں۔ تین بار کہنے پر اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ کواڑ مت کھٹ کھٹاؤ۔ ممکن ہے کہ اس وقت ملنے سے کچھ عذر ہو۔ سوتا ہو یا جی نہ چاہتا ہو۔ اس کو معذور سمجھ کر واپس چلے آؤ۔ اور اگر اندر سے یہ کہہ دیا جائے کہ اس وقت واپس جاؤ تو واپس چلے آؤ۔ برامت مانو۔

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ﴾ کہ یہ زیادہ صفائی کی بات ہے۔

''السلام علیکم'' بہترین دعاء

شاہ عبدالقادر صاحب اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ یعنی اس میں ملاقات صاف رہتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے وہ عوالی میں رہتے تھے۔ بعض عوالی کئی کئی میل کے فاصلہ پر تھے۔ اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَنَا اَدْخُلُ (میں آؤں) تین بار فرمایا۔

(۱) تنہائی کی جگہ۔

جب تینوں مرتبہ جواب نہ آیا تو آپ واپس تشریف لے جانے لگے۔ حضرت سعد بن عبادہ دوڑے کہ یا رسول اللہ! آپ کہاں چلے فرمایا کہ تین مرتبہ کے بعد انتظار کرنا نہ چاہیے۔ حضرت سعد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں تو برابر سنتا رہا مگر اس لئے نہیں بولا کہ اچھا ہے یہ دعائیہ کلمات جو اس زبان مبارک سے نکل رہے ہیں جتنے مل جائیں غنیمت ہیں۔

افسوس ہے! کہ آجکل بجائے السلام علیکم کے جو تمام دعاؤں اور ادب کو جامع ہے آداب کو رشنات نکلا ہے۔ آداب کے معنی تو میرے نزدیک یہ ہیں کہ آپاؤں داب یہ ادب ہوا کہ دوسرے کو حکم پاؤں دبانے کا کر رہے ہیں۔ بعض لوگ بندگی کرتے ہیں۔ میں جب کانپور اول اول گیا تو وہاں مسلمانوں میں اس لفظ بندگی کا رواج دیکھا ہے۔ اب جو کوئی مجھ سے ملنے آتا ہے۔ تو وہ بندگی کہتا ہے مجھ کو غصہ آیا کہا کہ میں کیا ہندو ہوں جو بندگی مجھ کو کہتے ہیں۔ وہاں کے لوگوں نے کہا کہ یہاں کا رواج ہی یہ ہے۔

یاد رکھو! یہ لفظ سب خرافات ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہے تمام دعاؤں کو جامع ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کو ان لوگوں کو اس کی برکات سے محروم کرنا ہے۔ اس لئے ان کو توفیق ہی اس کی نہیں ہوتی۔ غرض! حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو پھر لائے۔ دیکھئے! حضور ﷺ نے بھی خود اپنے اوپر اس قانون کو جاری کیا۔ اور پھر کمال اخلاق یہ ہے کہ شکایت حکایت نہیں یہاں تو کوئی ادنیٰ آدمی بھی ہو تو کہنے لگتا ہے کہ تم بڑے مغرور ہو ہم پکارتے رہے چلاتے رہے سنا ہی نہیں۔

شریعت میں تمدن کی رعایت

اور اس باب میں شرع نے یہاں تک رعایت کی ہے کہ ارشاد ہے :

لا یتناجی اثنان دون الثالث (۱) یعنی اگر تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آپس میں سرگوشی نہ کریں۔ اس لئے کہ اس کا دل دکھے گا کہ بس میں ہی غیر تھا مجھ سے چھپانا منظور تھا کہاں ہیں تمدن کے مدعی۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ شریعت نے تمدن کی اس قدر رعایت کی ہے کہ اتنی کوئی کرتا۔ تو کیا اس کے دقائق اور اس کی علل سمجھنے کے لئے بھی بڑے دماغ کی ضرورت ہے۔ افسوس! شریعت جیسے دلبر رعنا کو لوگ ڈائن سمجھتے ہیں۔ ارے! شریعت تو وہ محبوب ہے کہ جیسا کسی نے کہا ہے ؎

زفرق تابقدم ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست (۲)

جس ادا کو دیکھو دل کھینچتا ہے۔ اے صاحبو! اپنے گھر کی دولت چھوڑ کر کیوں دوسروں سے پھوٹی کوڑیاں مانگتے ہو۔ تمہاری معاشرت تمہارے کھانے پینے تمہارے اخلاق تمہاری سیاست وانتظام شریعت نے کسی بات کو بھی تو نہیں چھوڑا۔ افسوس ہے اور ہزار افسوس ہے کہ ایسی محبوبہ کو چھوڑ کر چڑیلوں پر گرتے ہو کیونکہ شریعت کے سامنے تہذیب جدید کو بالکل یہی نسبت ہے۔ اور طرفہ یہ کہ شریعت میں دین کی راحت تو ہے ہی دنیا کی بھی پوری آسائش ہے۔

قید آزادی

اور اسی طرح اس تہذیب مخترع (۳) میں دین کا تو جو کچھ بھی ضرر ہو (۴) خود دنیا کی بھی کلفتیں (۵) ہیں۔ چنانچہ مقابلہ اور امتحان ہی کے طور پر دیکھ لو۔ مثلاً آجکل ہمارے ترقی یافتہ بھائی آزادی کا بہت دم بھرتے ہیں۔ اور شریعت کو قید بتلاتے ہیں۔ ہم تو اس کا برعکس دیکھ رہے ہیں۔ کہ یہ لوگ مقید ہیں اور ہم آزاد ہیں۔

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲/ ۲۷۷، الکامل لابن عدی: ۲/ ۸۰۶ (۲) ''سر سے قدم تک جس جگہ دیکھتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ محبوبیت کی ہے'' (۳) خود ساختہ تہذیب (۴) نقصان (۵) پریشانیاں۔

ایک صاحب کانپور میں کوٹ پتلون بوٹ سوٹ سے کسے کسائے میرے پاس آئے وہ بیٹھنا چاہتے تھے۔ کرسی پر تو وہ سہولت سے بیٹھ جاتے لیکن ہم غریبوں کے پاس کرسی کہاں۔ ہمارے لئے تو چٹائی پر بیٹھنا فخر ہے۔ اب وہ کھڑے ہیں لیکن کھڑے کھڑے بات کیسے کریں۔ ہاتھ میں ایک چھڑی بھی تھی۔ چھڑی پر سہارا دے کر اور تاک لگا کر بھد سے گر پڑے مجھے بڑی ہنسی آئی۔ بتلایئے! یہ تہذیب ہے یا تعذیب(۱) یہ آزادی ہے یا قید ہے بیٹھنا تو مصیبت تھا ہی اور اٹھنا اور بھی زیادہ مصیبت ہوا۔ اور اگر چلتے چلتے گر پڑیں۔ تو بس وہاں ہی پڑے رہتے ہوں گے۔

اور لیجئے! اگر جنگل میں کھانے کا وقت آجائے تو ہم تو دانہ بھی چبا سکتے ہیں۔ اور روٹی ہو وہ بھی آدمیوں کی طرح بیٹھ کر کھا سکتے ہیں۔ اور ان کے لئے میز ہو کرسی ہو۔ کانٹا ہو چھری ہو۔ جب یہ کھانا تناول فرمائیں۔ کپڑوں میں ہماری یہ حالت ہے کہ پاجامہ نہ ہو لنگی باندھ لیں گے اچکن نہ ہو کرتہ کافی ہے۔ عمامہ نہ ہو ٹوپی ہی سہی۔ پھر ٹوپی بھی خواہ کسی کپڑے کی ہو۔ بجز حدود شرعیہ(۲) کے کوئی قید نہیں اگر وہ بھی نہ ہو تو ننگے سر رہیں گے اور پھر اچکن اگر بانات کا ہو تو اس کی قید نہیں کہ پاجامہ کشمیرہ کا ہو لٹھ کا ہو۔ گاڑھے گزی کا ہو کسی شے کا ہو نہ ہو لنگی بھی کفایت کرتی ہے۔ ان کو یہ مصیبت ہے کہ اگر پتلون کسی خاص کپڑے کا ہو تو کوٹ بھی اس کے مناسب ہو قمیص بھی اس کے مناسب ہو ورنہ فیشن کے خلاف ہے۔

کیوں صاحبو! یہ آزادی تو بڑی بھاری قید ہے۔ ان کی آزادی کی حقیقت عرض کرتا ہوں کہ یہ لوگ صرف خدا اور رسول سے آزاد ہیں باقی نہ کھانے میں آزاد نہ پینے میں آزاد نہ پہننے میں آزاد۔ ہر بات میں مقید ہیں اگر آزاد ہیں تو خدا و رسول سے آزاد ہیں تو خاک پڑے ایسی آزادی پر اور بھاڑ میں جائے ایسی مطلق العنانی۔ (۳)

(۱) مصیبت (۲) سوائے شرعی حدود کے (۳) ایسی آزادی۔

حیوۃ طیبہ

اور مبارک رہے ہم کو یہ قید اگر ہم مقید ہیں تو ہماری قید کی تو حالت یہ ہے

اسیرش نخواہد رہائی زبند شکارش نجوید خلاص از کمند(۱)

اور یہ وہ قید ہے ؎

گردو صد زنجیر آری بگلم غیر زلف آں نگار مقبلم(۲)

اور ہماری ایسی قید ہے کہ مدتوں کے بعد محبوب کسی کو ملا ہو اور وہ اپنے لطف وکرم سے اس کا ہاتھ زور سے پکڑ کر عاشق کو اپنے پاس بٹھلالے اور اس کو نہ چھوڑے تو اس عاشق کی اس وقت کیا حالت ہوگی۔ اس کی تو غیبت میں یہ حالت تھی کہ کہا کرتا تھا ؎

اگرچہ دور افتادم بدیں امید خرسندم

کہ شاید دست من باردگر ہم جان من گیرد(۳)

بھلا اب کیا حال ہوگا۔ بلکہ اگر وہ محبوب یہ کہے کہ اگر تم کو زور سے ہاتھ پکڑنے میں تکلیف ہو۔ تو تمہارا ہاتھ چھوڑ دوں تو وہ عاشق یہ کہے گا کہ میرا ہاتھ کیا جان بھی نہ چھوڑو اور یہ کہے گا ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی(۴)

پس جن کو خدا اور رسول کے ساتھ اس درجہ محبت ہے کیا وہ اس قید کو ناگوار

---

(۱) ''تیرا قیدی قید سے رہائی کا خواہشمند نہیں ہوتا تیرا شکار جال سے خلاصی کا طالب نہیں ہوتا'' (۲) ''اگر دو سو زنجیریں ہوں تو توڑ دوں سوائے اپنے محبوب کی بندش کے یعنی سوائے اپنے محبوب کے اور کسی کا گرفتار ہونا برداشت نہیں کرسکتا'' (۳) اگرچہ میں دور پڑا ہوں مگر اس امید میں خوش ہوں کہ کبھی تو میرا ہاتھ دوبارہ میرا محبوب پکڑے گا'' (۴) ''دشمن کو یہ نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو اس پر خنجر آزمائی کرے''

سمجھے گا۔ ہرگز نہیں جس کو کسی سے کبھی محبت ہوئی ہوگی وہ ہی اس کا لطف جانتا ہے ہاں! جس قلب میں محبت کا مذاق ہی نہ ہو۔ وہ کیا جانے کہ اس میں کیا لطف ہے نامرد اصلی کیا جانے کہ عورت میں کیا لطف ہوتا ہے ورنہ اگر مذاق ہے تو خدا جانتا ہے کہ ساری قیدیں آسان ہیں وہ چولہے میں ڈالے گا ان قیدوں سے آزاد ہونے کو اور بھاڑ میں ڈالے گا ایسی عقل کو اور سر پر رکھ لے گا دیوانگی کو اسی دیوانگی کی نسبت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم(۱)

ایسے شخص پر جو حالت بھی ہو نا داری ہو بیماری ہو افلاس ہو اس کو سب گوارا اور اول تو ایسے شخص کو کوئی بھی مصیبت نہیں ہوتی اور بالفرض اگر ہوں بھی تو اس کو اس حالت میں بھی چین ہے سکون ہے اطمینان ہے اس کی زندگی لطف کی زندگی ہے خواہ کسی حالت میں ہو حق تعالیٰ اسی حیات کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾(۲)

یعنی جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اس کو ہم پاکیزہ زندگی عطا فرماتے ہیں۔ ان کی ہر وقت تسلی کی جاتی ہے ان کے قلب میں سکون اور چین کا افاضہ ہوتا رہتا ہے اور ان کو ہر حال میں یہ کہا جاتا ہے ؎

سوئے نومیدی مرد کا مید ہاست سوئے تاریکی مرد خورشید ہاست(۳)

پس اس قید میں اگر ان کو کچھ تعب(۴) بھی ہو تو کچھ پرواہ نہیں۔ اور ایسی قید کے مقابلہ میں جو آزادی ہے وہ نری مہمل ہے اور سراسر خسران ہے(۵) حرمان

(۱) ''ہم اگر مفلس اور قلاش اور دیوانہ ہیں یہی دولت کیا کم ہے کہ محبوب حقیقی کی محبت میں مست ہیں''
(۲) سورۃ النحل: ۹۷ (۳) ''ناامیدی کی راہ نہ جاؤ بہت سی امیدیں ہیں تاریکی کی طرف مت چلو بہت سے آفتاب ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے ناامید نہ ہو بلکہ امیدیں رکھو'' (۴) مشقت بھی ہو (۵) گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔

ہے اور یہ آزادی بس خدا ورسول سے آزادی ہے ورنہ یہ لوگ سراپا مقید ہیں۔ دیکھا آپ نے کہ اسلام نے ہم کو کیسی آسائش کی معاشرت سکھلائی ہے اور حقوق کی کہاں تک رعایت کی ہے۔

باہمی محبت کا راز

اور لیجئے اسلام کی تعلیم ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ ہو۔ اور یہ جڑ ہے محبوبیت باہم دگر کی چنانچہ ارشاد ہے: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده (۱) مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں یعنی کسی کو اس سے ضرر واذیت نہ پہنچے یہ تو کلیہ ہے پھر اس کی جزئیات کی عملی اور علمی طور سے ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ انتہاء کو پہنچا دیا ہے چنانچہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی بھائی مسلمان سوتا ہو اور تم کو اٹھنے اور کہیں جانے کی ضرورت ہو تو آہستہ سے اٹھو اور آہستہ سے جوتے پہنو۔ آہستہ کواڑ کھولو اگر بات کرو آہستہ سے کرو۔ یہ سب حضور ﷺ نے کر کے دکھلا دیا۔

جیسے نسائی میں حضرت عائشہؓ سے لیلة البراة کے قصہ میں مذکور ہے وقت کم ہے ورنہ ایک ایک جزئی کے متعلق میں قصے بیان کر دیتا۔ میں نے ایک کتاب آداب المعاشرت لکھی ہے۔ اس میں یہ دکھلا دیا ہے کہ دوسروں کو تکلیف نہ دینے کی شارع نے کتنی رعایت کی ہے آجکل جو دیندار کہلاتے ہیں۔ وہ دینداری کو ان چند باتوں میں منحصر سمجھتے ہیں کہ پائینچے ٹخنے سے اوپر کر لیئے ڈاڑھی بڑھالی نماز پڑھ لی۔ بس دیندار ہو گئے۔ باقی نہ اخلاق کو جزو دین سمجھتے ہیں نہ معاشرت کا دین سے کچھ تعلق جانتے ہیں نہ معاملات ان کے شریعت کے موافق ہیں کسی کو ستالیا کسی کی غیبت کر لی کسی کو حقیر سمجھ لیا کسی کی ابرو ریزی کر لی اور پھر دیندار کے دیندار۔ اس کی وہ مثال ہے جو مولانا یا اور کوئی مصلح فرماتے ہیں ؎

(۱) الصحیح للبخاری: ۱/۹ الصحیح لمسلم کتاب الایمان: ۶۵ سنن الترمذی: ۲۶۲۷۔

از بروں چوں گور کافر پر حلل و اندروں قہر خدائے عزوجل
از بروں طعنہ زنی بربا یزید وز درونت ننگ میدارد یزید(۱)

ایسے دینداروں کو دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ بس دیندار ایسے ہی ہوتے ہیں اور شریعت کی یہی تعلیم ہے۔

حقیقی دینداری

صاحبو! یاد رکھو! کہ دین نام صرف ظاہر ہی کے درست کرنے کا نہیں گو ظاہر کی اصلاح بھی دین میں مامور بہ ہے مگر صرف اس سے پورا دیندار نہیں ہوتا۔ پورا دیندار وہ ہے جو شریعت کے ہر ہر حکم پر عمل کرے۔ ظاہر کے متعلق بھی اور باطن کے متعلق بھی حسین اس کو کہیں گے جو سر سے پاؤں تک حسین ہو اور اگر سب اعضاء خوب صورت ہوں اور آنکھیں پھوٹی ہوئی ہوں تو وہ حسین نہیں ہے پس جس کے اندر ایک بات بھی دین کے خلاف ہو۔ گو وہ ہم سے اچھا ہے لیکن اس کو نمونہ دین کیوں سمجھتے ہیں۔

سفارش کی حقیقت

اور دیکھئے شریعت کی تعلیم ہے کہ سفارش سے بھی کسی کو تکلیف نہ دو۔ حضور ﷺ نے بریرہؓ سے حضرت مغیثؓ کی سفارش کی۔ جو اول ان کے شوہر تھے اور انہوں نے خیار عتق کی بناء پر تفریق کر لی تھی۔(۲) ان سے نکاح کرنے کے لئے فرمایا وہ پوچھتی ہیں کہ آپ کیا حکم فرماتے ہیں یا سفارش۔ آپ نے فرمایا سفارش! کہنے لگیں مجھ کو منظور نہیں آپ ناخوش نہیں ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ

(۱) ''باہر سے کافر کی قبر ہر طرح مزین ہے اور اندر خدائے عزوجل کا عذاب ہو رہا ہے باہر سے تو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جیسے پر تو طعنہ زنی کرتا ہے اور تیری اندرونی حالت سے شیطان بھی شرماتا ہے'' (۲) باندی غلام جب آزاد ہو تو اگر وہ کسی کے نکاح میں ہو جو غلامی کے زمانہ میں آقا نے کیا ہو تو اس کے آزادی کے بعد اس نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار مل جاتا ہے ان کو بھی یہ اختیار ملا تو انہوں نے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

سفارش وہی ہے جس میں کسی پر زور نہ ڈالا جائے تو اتنی تکلیف بھی کسی کو گوارا نہیں کی گئی۔ اسی طرح دین کے اندر صفائی کا حکم ہے۔

شریعت کی خوبی

دیکھئے! اگر معاملات کو صاف رکھیں تو ممکن نہیں کہ دلوں میں فرق آئے۔

بہرحال شریعت کا جو حکم معاملہ ومعاشرت واخلاق کے متعلق لیجئے اس کی تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ ہو۔

الحاصل! جو اسباب محبت کے ہیں نوال جمال کمال شریعت نے ان کی بابلغ وجہ تعلیم فرمائی ہے۔ پس جو شخص شریعت پر عمل کرے گا جو کہ عملو الصّٰلِحٰت کا مدلول ہے وہ بالطبع محبوب ہوجائیگا۔ اور اپنی قوم میں تو محبوب ہو ہی گا غیر قوموں میں بھی اس کا اعتبار ہوگا۔ اس سے بعض اعمال صالحہ کا دوستی میں دخل ہونا سمجھ میں آگیا ہوگا جو کہ باب معاملہ معاشرت واخلاق سے ہے۔

ایمان وعمل صالح کا محبوبیت میں دخل

اب یہ بات رہ گئی کہ ایمان اور نماز روزہ کو کیا دخل ہے محبوبیت میں سو اس کی نسبت سنو کہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ کوئی کام ہو اول اس کا قلب میں ارادہ پیدا ہوتا ہے پھر اس کا جوارح (۱) سے ظہور ہوتا ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ کسی امر پر نباہ بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ اس کا تقاضا شدید قلب میں راسخ ہوجائے (۲) اور اس کے اضداد وموانع قلب سے مرتفع ہوجائیں (۳) ورنہ ارادہ ہوگا مگر غیر راسخ (۴) جب راسخ نہیں تو اکثر ارادہ بھی نہ ہوگا تو عمل بھی نہ ہوگا پس ثابت ہوا کہ مداومت واستقامت بدوں تقاضائے قلب کے نہیں ہوتا (۵)۔ پس اس قاعدہ کے موافق

(۱) اعضاء سے اس کا اظہار ہوتا ہے (۲) دل میں جم جائے (۳) اس کی ضد اور رکاوٹیں دل سے دور ہوجائیں (۴) پختہ ارادہ نہیں ہوگا (۵) بغیر دلی تقاضے کے کوئی کام پابندی اور مستقل مزاجی سے نہیں ہوسکتا۔

اخلاق ومعاملات ومعاشرت کی درستی بھی جس کا دخیل ہونا محبوبیت میں مسلم ہو چکا ہے جب ہی نبھ سکتی ہے کہ ان چیزوں کا قلب میں تقاضا ورسوخ ہو اور وہ تقاضا ورسوخ بغیر ایمان اور روزہ نماز کے نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ تمام قواعد متعلقہ بصدق ومعاملات اللہ ورسول نے ہی ہم کو تعلیم فرمائی ہیں۔ تو جب تک تصدیق اللہ ورسول کی قلب میں راسخ نہ ہوگی تو ان تعلیمات پر استقامت نہ ہوگی۔ یہ تو ایمان کا دخل ہوا اور روزہ نماز کو یہ دخل ہے کہ یہ کیفیت قلبی تقاضے کی موقوف ہے قلب کی صفائی پر۔ اور قلب کی صفائی بغیر روزہ نماز نہیں ہوتی روزہ سے تو اس طرح کہ اس سے قوت بہمیہ (۱) کا انکسار ہوتا ہے۔ اور نماز سے تواضع پیدا ہوتی ہے تکبر ٹوٹتا ہے اور تکبر وبہمیہ (۲) ہی اصل ہے بہت سے اخلاق ذمیمہ (۳) کی۔ پس صوم وصلوٰۃ سے اس کی اصلاح ہوگی۔ اور اس کی اصلاح سے معاملات وغیرہ درست ہوں گے جو مدار ہے محبوبیت کا اور مسبب کا سبب ہے۔ پس نماز وروزہ سبب ہوا محبوبیت کا۔ مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ایمان اور صلوٰۃ وصوم کا موضوع لہٗ صرف یہی ہے (۴) اصلی موضوع لہ، تو ان کا قرب الٰہی ہے لیکن یہ محبوبیت بھی اور سیر خاصہ لازمہ کہ طور پر مرتب ہوجاتی ہے۔ چونکہ یہاں بیان تھا محبوبیت ومودۃ کا۔ اس لئے اس کا بھی اس میں دخل بیان کردیا گیا۔

نصیحت بامحبت

اب دو سوال رہ گئے۔ ایک سوال تو یہ ہے کہ ہم بعضے دینداروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ شریعت کی پورے پابند ہیں اور ساری دنیا کو نصیحت کرتے ہیں لیکن سب سے ان کی لڑائی رہتی ہے۔ لوگ ان کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے ہیں۔ وہاں

(۱) حیوانی قوت ٹوٹتی ہے (۲) تکبر اور حیوانیت (۳) برے اخلاق (۴) یہ نہ سمجھے کہ نماز روزہ اس لئے فرض ہوا ہے بلکہ اس کے فرض ہونے کا سبب تو قرب الٰہی ہے۔

محبوبیت کا ترتب کیوں نہیں ہوتا جواب اس کا یہ ہے ؎

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست(۱)

یہ سوال آپ کا کم فہمی سے پیدا ہوا ہے۔ صاحبو! نصیحت کا بھی شارع نے قانون مقرر کیا ہے۔ جب کوئی شخص اس قانون کے خلاف کرے گا تو وہ کمال ایمان وعمل صالح کے اس ثمرہ مودت ومحبوبیت سے ضرور محروم رہے گا۔ اس سے وہ شبہ جاتا رہا اور وہ قانون یہ ہے کہ نصیحت خیر خواہی اور محبت اور ہمدردی سے ہو نفسانیت کا اس میں شائبہ نہ ہو تو جو شخص اس قانون کے موافق عمل کرے گا۔ اس کی کسی سے مخالفت ہو ہی نہیں سکتی۔ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس وعظ میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہے۔ کوئی اور مولوی صاحب ہوتے تو بلا کر ملامت کرتے۔ برا بھلا کہتے۔ سچ یہ ہے کہ ہم لوگ نام کے مولوی ہیں اور نرے الفاظ پرست ہیں۔ حالانکہ الفاظ یاد کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک حال نہ ہو۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو(۲)

پس اگر کوئی نرا مولوی ہوتا تو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آیات واحادیث پر اس طرح عمل کرتے کہ بلا کر اس کو برا بھلا کہتے اب عداوت ونفرت جانبین میں ہوتی اور اس کو دیکھ کر بے شک یہ شبہ پیدا ہوتا کہ تم تو کہتے ہو کہ شریعت پر عمل کرنے سے محبوب ہو جاتا ہے۔ اور اس پر جو لوگ پروانوں کی طرح گرتے ہیں لیکن ہم تو دیکھتے ہیں کہ بجائے دوستی کے اور الٹی عداوت اور نفرت ہوگئی۔ لیکن شاہ صاحب نے یہ نہیں کیا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ آپ ذرا ٹھہر جایئے آپ سے مشورہ کرنا ہے وہ ٹھہر گیا بعد فراغت کے فرمایا کہ بھائی اپنا عیب آدمی کو معلوم نہیں ہوتا مجھے

(۱) ''اے دوست کی یہی ہے کہ تو سخن فہم نہیں ہے'' (۲) قال کو چھوڑو حال پیدا کرو کسی کامل شخص کے سامنے پامال ہو جاؤ تو صاحب حال بن جاؤ گے''۔

اپنے اندر ایک عیب کا شبہ ہے وہ یہ کہ میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک جاتا ہے اور اس پر ایسی ایسی وعیدیں آئی ہیں تو آپ ذرا دیکھ لیں کہ واقعی میرا شبہ صحیح ہے یا نہیں وہ شخص پانی پانی ہوگیا اور عرض کیا کہ حضور آپ کا پاجامہ کیوں لٹکتا۔ میرا البتہ لٹک رہا ہے اور اسی وقت اس کو جا کر درست کرلیا۔ اور ہمیشہ کے لئے توبہ کرلی۔ پس اگر محبت اور حکمت عملی سے کہا جائے تو ممکن نہیں ہے کہ کوئی برا مانے۔

شرط وعظ عام

اسی واسطے امر بالمعروف اور وعظ عام کی ہر شخص کو اجازت نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾(۱) یعنی چاہیے کہ ایک جماعت تم میں سے ایسی ہو کہ جو خیر کی طرف داعی ہوں اور نیک بات کا حکم کریں اور بری بات سے منع کریں۔

دیکھئے! یہ نہیں فرمایا کہ تم سب امر بالمعروف کرو۔ بلکہ یہ فرمایا کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہونی چاہیے کہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف کا ہر شخص اہل نہیں ہے۔ ہر شخص کو اجازت نہیں ہے کہ وہ وعظ عام اور خطاب عام کرے البتہ جن پر پوری قدرت ہے جیسے اپنے اہل وعیال وہاں اصلاح کا ہر شخص مکلّف ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾(۲) غرض ہر کام تدبیر سے ہوتا ہے میرا معمول ہے جب میں کہیں سفر میں ہوتا ہوں مجھ سے فرمائش ہوتی ہے کہ وعظ میں فلاں بات کا ذکر کرنا۔ میں صاف انکار کردیتا ہوں بعضے ایسے بھولے بھالے ہوتے ہیں کہ منبر پر بیٹھ کر وہی سبق گاتے ہیں جو ان کو پڑھایا جاتا ہے۔ لوگوں کو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ کہلایا ہوا کہہ رہے ہیں اس سے اثر ضعیف ہوجاتا ہے اور لوگوں کو گوارہ بھی ہوتا ہے میں ایسی فرمائش پر ہرگز عمل نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ نواب

(۱) آل عمران: ۱۰۴ (۲) التحریم: ۶۔

صاحب ڈھاکہ نے مجھ کو بلایا تھا۔ میں نے پہلے یہ شرط کرلی تھی کہ آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ آپ مجھ سے کسی خاص بات کے وعظ میں بیان کرنے کی فرمائش کریں۔ چنانچہ انہوں نے موافق شرط کے کسی بات کی فرمائش نہیں کی۔ میں نے وعظ میں جو چاہا بیان کیا کسی نے بھی برا نہیں مانا۔ میں نے اس کا تجربہ کیا ہے کہ فرمائشی وعظ کا اور رنگ ہوتا ہے اور خود کہنے میں اور بات ہوتی ہے۔ پس شریعت کا قانون ہے کہ نصیحت وتذکیر میں آداب واحتساب کی رعایت کرو۔ اور اگر کوئی باوجود آداب کے رعایت کرنے کے برا مانے۔ اس پر شبہ واقع نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ صفراوی(۱) کو مٹھائی کڑوی معلوم ہوہی گی۔ اس لئے کہ اس کا مزاج ہی خراب ہے امر بالمعروف کی خاصیت میں کچھ خرابی نہیں اس کا خلاصہ تو یہ ہے کہ ممنون ہونا چاہیے کہ ہمارے امراض اس شخص نے معلوم کرائے۔ ایک اعتراض تو یہ تھا جس کا جواب ہوگیا۔

تاثیر اخلاق حسنہ

دوسرا سوال یہ ہے کہ بعض دیندار بھی نہیں ہوتے اور پھر بھی وہ محبوب ہوتے ہیں تو پھر محبوبیت صرف دینداری کا خاصہ کیا ہوا میں اس کا راز بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب کوئی محبوب ہو۔ اور وہ دیندار نہ ہو تو یہ دیکھو کہ علت اس کی محبوبیت کی کیا ہے۔ سو علت اس کی اکثر تو وہی شے نکلے گی جس کا شریعت نے حکم کیا ہے مثلاً کوئی کافر سخی ہے یا عادل ہے تو اس سے اس کی سخاوت اور عدل کی وجہ سے محبت ہوتی ہے اور سخاوت اور عدل دونوں کی شریعت نے تعلیم کی ہے کفر کے ساتھ مل کر بھی انہوں نے اپنا اثر دکھلایا ؎

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف گر باشد ندانم چوں کند(۲)

اسی طرح اعمال شرعیہ کفر کی نجاست کی آلودگی کے ساتھ بھی جب اپنا

(۱) جس کے منہ کا ذائقہ کڑوا ہو رہا ہو۔ (۲) ''شراب کا گھونٹ مٹی میں مل کر جب مست بنا دیتا ہے تو خالص شراب تو کیا کچھ نہ کریگی''۔

کام کررہے ہیں اگر ایمان کے ساتھ ملیں گے تو دیکھو کیا رنگ لاتے ہیں۔ ایک جواب تو یہ ہوا دوسرا جواب یہ ہے کہ محبوبیت مطلقہ یعنی من کل الوجوہ میں گفتگو ہے ہر شخص کے نزدیک محبوب بنادے۔ یہ بجز مومن کامل کے کسی کو نصیب نہیں۔ اگر کوئی کافر کسی خلق حسن کے ساتھ متصف ہے تو وہ بعض کے نزدیک محبوب ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔ بلکہ کفر یا بعض اخلاق ذمیمہ کی وجہ سے مبغوض ہے۔ اب شبہ جاتا رہا۔ اور اگر حسن وغیرہ علت ہو تو اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔ اب ایک اعتراض اور باقی رہا۔ وہ یہ ہے کہ ایک مومن جو شریعت کا پورا پابند ہے اس کا کسی سے مقدمہ ہو اور اس میں وہ مومن ہی حق پر ہے۔ تب بھی فریق مقابل اس کو نظر غیظ (۱) سے دیکھتا ہے نظر محبت سے ہرگز نہیں دیکھتا۔ اب وہ خاصہ کہاں گیا جواب اس کا یہ ہے کہ ہر شے کی خاصیت کے ظاہر ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی معارض نہ ہو۔ اگر معارض ہو تو یوں کہیں گے کہ شے اپنے اثر سے مختلف ہوگئی تو یہاں یہ معارض ہے کہ اس کو اس کے زعم میں فرد پہنچ رہا ہے اس لیے یہ شخص اگر نظر غیظ سے دیکھے تو ہمارے دعویٰ کے کچھ منافی نہیں ہے ہاں عام طور سے دیکھو کہ دوسرے لوگ کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ سو یقینی بات ہے کہ ایسے موقع پر عام طور پر سب یہی چاہا کرتے ہیں کہ خدا کرے یہ جیت جائے۔ اسی طرح اگر غیر مومن اگر مظلوم ہو تو سب کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی فتح ہو۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کفر سبب مودت کا ہے یہاں اس کی مظلومیت اس کی مبغوضیت کے معارض ہو رہی ہے۔ دراصل وہ مبغوض ہی ہے پس خلاصہ یہ ہوا کہ محبوبیت اعمال صالحہ اور ایمان میں منحصر ہے۔

اتحاد اغراض

اس سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوئی کہ جو اتفاق اور محبوبیت و مودت کو اس راہ سے طلب نہیں کرتے ۔

(۱) غصے کی نگاہ سے۔

ترسم کہ نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کیں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است (۱)

چنانچہ جو لوگ اتفاق اتفاق پکار رہے ہیں اور شریعت کے خلاف کر رہے ہیں ان کو آج تک تو کامیابی ہوئی نہیں اگر کوئی کہے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بعض جگہ ان میں اتفاق ہے۔ صاحبو! وہ اتفاق نہیں۔ اس لئے کہ آپ کو واضح ہو گیا ہے کہ اتفاق ہوتا ہے باہمی الفت سے اور ان میں الفت نہیں وہ عارضی اور اتفاق کی صورت ہے بہت جلدی زائل ہوتا ہے۔ کیونکہ منشاء اس اتفاق کا اتحاد اغراض ہے۔ جب تک اغراض متحد ہوتے ہیں وہ اتفاق کا ڈھانچہ قائم رہتا ہے اور جب اغراض میں اختلاف ہوتا ہے فوراً وہ اتفاق ٹوٹ جاتا ہے۔

اتفاق محکم

بخلاف مومن کے اتفاق کے۔ اس لئے کہ اس کی غرض اور مطلوب ہمیشہ اللہ و رسول کی رضا ہے اور اس میں تزاحم متحمل ہی نہیں۔ اس لئے اس کا اتفاق قائم رہتا ہے۔ دو مومن اگر جنوب و شمال میں بھی ہیں اور ان میں کوئی سابقہ تعلقات بھی نہیں۔ ان میں بھی اتفاق ہے۔ پس عقلی طور سے ثابت ہو گیا کہ اتفاق گر ہے تو مومنین میں ہے۔ اور اگر باقی رہ سکتا ہے تو انہیں کا اتفاق باقی رہ سکتا ہے۔ اور اسی پر قیاس کر لیجئے اس کی ضد کو۔ کہ بغض اور عداوت (۲) جب ہوگا خلاف شریعت کے کرنے سے ہوگا۔ اور بغض اگر قائم رہنے والا ہے تو وہ ان میں ہی ہے جو ایمان یا عمل صالح میں خلل ڈالتے ہیں پھر بھی مومنین میں جتنا بھی ایمان ہے اسی مقدار کے موافق ان میں مودت و محبت لازم ہے (۳)۔ پس اگر آپ محبوب بننا چاہتے ہیں اور اپنے آپس میں اتفاق قائم رکھنا چاہتے ہیں تو خدا و رسول کی اطاعت کیجئے ورنہ مبغوضیت کے لئے تیار ہو جائیں لیکن خدا کے لئے ایمان اور عمل صالح کو اس نیت سے نہ کیجئے کہ ہم محبوب

(۱) ''میں ڈرتا ہوں کہ اے اعرابی تو کعبہ نہ پہنچے گا اس لئے کہ جو راستہ تو نے اختیار کیا ہے وہ ترکستان کا ہے''

(۲) دشمنی (۳) پیار محبت لازمی ہے۔

بنیں۔ بلکہ قصد تو اطاعت حق کا ہونا چاہیے ہاں! اس پر یہ ثمرہ بھی مرتب ہوجاتا ہے جیسے جب خانہ کعبہ کا ارادہ ہوتو بمبئی کی سیر کا ارادہ نہ کرو۔ نیت تو ہونا چاہیے حج کی ہاں راستہ میں بمبئی بھی آئے گی۔ اور سیر بھی کرلوگے۔

اور یہاں سے یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ بعض لوگ جو نماز کی حکمت یا حج کی حکمت یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ نماز سے صفائی حاصل ہوتی ہے۔ اور جامعت کی حکمت یہ کہتے ہیں کہ پانچ وقت جب محلّہ کے مسلمان ملیں گے تو آپس میں اتفاق ہوگا۔ اور جمعہ میں شہر کے مسلمانوں میں اتفاق ہوگا۔ اور حج میں تمام عالم کے مسلمانوں میں اتحاد ہوگا۔

میری تقریر کا ان کی تقریر سے متحد ہونے کا شبہ نہ کیا جائے کہ وہ بھی ان اعمال صالحہ کو مورد اتفاق بتلاتے ہیں۔ اور یہی میں نے کہا۔ سو ان کی اور میری تقریر میں بہت بڑا فرق ہے ان کی غرض تو یہ ہے کہ مقاصد اصلیہ ان احکام کے یہی اتحاد واتفاق ہیں۔ اور میرا مقصود یہ ہے کہ موضوع لہ اصلی تو ان طاعات کا قرب الٰہی ہے اور خدا تعالیٰ کا راضی کرنا۔ ہاں جو ثمرہ ان پر بلا قصد مرتب ہوجاتا ہے وہ یہ بھی ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ گو ان کے لئے یہ اعمال موضوع نہیں۔ پس میری تقریر کو ان کی تقریر کا ہم رنگ ہرگز نہ سمجھا جائے۔

خلاصہ وعظ

الحاصل! اتفاق کا اتباع شریعت میں اور نااتفاقی کا شریعت کے خلاف کرنے میں منحصر ہونا ثابت ہوگیا۔ اور جس طرح سے اس تقریر سے اتفاق کے اسباب معلوم ہوگئے۔ جن کا حاصل اطاعت حق ہے۔ اسی طرح اس سے نااتفاقی کے بھی اسباب معلوم ہوگئے ہوں گے کہ معصیت حق ہے۔

اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ توفیق عمل کی عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین

خلیل احمد تھانوی